قُل إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

قُربانی

احکام و مسائل

تالیف

مُحدّث العصر حافظ زُبیر علی زئی رحمہ اللہ

(۱۳۷۶-۱۴۳۵ھ)



جمع و ترتیب

حافظ معاذ بن زُبیر علی زئی

مکتبہ الحدیث حضرو



تالیف	محدث العصر حافظ زُبیر علی زئی رحمہ اللہ
جمع و ترتیب	حافظ مُعاذ بن زُبیر علی زئی
ڈیزائنر اینڈ کمپوزر	محمد قاسم برہ زئی
اشاعت	۲۰۲۴ء



ملنے کا پتا

مکتبۃ الحدیث حضرو ضلع اٹک

0300-5288783
0314-5215121

ishaatulhadithhazro@gmail.com ishaatulhadith.com



فہرست

حرف اوّل

الحمدللہ رب العالمين وصلى الله على محمد وآله أجمين ، أما بعد!

صاحبِ استطاعت کے لیے قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں یہ پسند نہیں کرتا کہ استطاعت کے باوجود قربانی ترک کردی جائے۔"

(الموطا روایۃ یحییٰ بن یحییٰ: ۲/ ۴۸۷ بعد ح ۱۰۷۳، ترجمہ مفہوماً)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "التضحية ، سنة مؤكدة" قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ (روضۃ الطالبین ۳/ ۱۹۲، نیز دیکھئے الوسیط فی المذہب للغزالی ۷/ ۱۳۱)

والد محترم رحمہ اللہ نے قربانی کے موضوع پر کہیں تفصیلی اور باقاعدہ اور کہیں کسی حدیث کے تحت فوائد میں ذیلی باتیں لکھی ہیں، انھوں نے اپنی زندگی میں ہی ایک کتابچہ تیار کروایا تھا جس میں ان تمام مضامین کو یکجا کر کے کتابی شکل دے دی تھی۔ انھی کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے میں نے نئے سرے سے ان مضامین کو ترتیب دی ہے اور قربانی کے موضوع پر بعض مفید اقوال و روایات کا "متفرقات" کے نام سے اضافہ بھی کیا ہے۔ (دیکھئے یہی کتاب ص ۹۱)

میں نے اس کتاب میں اشاریہ، رجال اور اطراف الحدیث وغیرہ کی فہارس بھی بنائی ہیں تاکہ اس کتاب سے استفادہ کرنا قاری کے لیے ہر لحاظ سے آسان ہو، ان شاء اللہ۔ نیز کہیں کہیں کسی مسئلہ کی مزید توضیح کے لیے حاشیہ بھی لگایا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ والد محترم رحمہ اللہ کے اعمال صالحہ کو قبول فرمائے، انھیں جنت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم اور محدثین کرام رحمہم اللہ کا ساتھ نصیب فرمائے، اُن کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے اور ہمارے اس عمل کو خالص اپنی رضا کے لیے قبول و منظور فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

حافظ معاذ بن زبیر علی زئی

(۳۰/ مئی ۲۰۲۴ء)

قربانی کے احکام ومسائل (بادلائل)

الحمد لله ربّ العالمین والصّلوٰة والسّلام علیٰ رسوله الأمین ، أما بعد:

اس مختصر وجامع مضمون میں قربانی کے بعض احکام ومسائل بادلائل پیشِ خدمت ہیں:

قربانی سنت مؤکدہ ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج (عیدالاضحیٰ) کے دن ہم سب سے پہلے نماز پڑھیں گے، پھر واپس آکر قربانی کریں گے۔ (ان شاء اللہ)

جس نے ایسا کیا تو ہماری سنت کو پالیا اور جس نے (نماز سے) پہلے ذبح کرلیا تو اس کی قربانی نہیں ہے۔ (صحیح بخاری باب سنة الأضحية ح ۵۵۴۵)

بعض علماء کے نزدیک قربانی واجب ہے، لیکن اس پر اُن کے پاس کوئی صریح دلیل نہیں، جبکہ صحیح مسلم کی حدیث (۱۹۷۷، ترقیم دارالسلام: ۵۱۱۹) سے قربانی کا عدمِ وجوب ثابت ہے، نیز سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے نزدیک قربانی واجب نہیں ہے۔

(دیکھئے معرفۃ السنن والآثار ۷/ ۱۹۸، وسندہ حسن)

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قربانی سنت ہے واجب نہیں ہے اور جو شخص اس کی طاقت رکھے تو مجھے پسند نہیں ہے کہ وہ اسے ترک کردے۔ (موطأ امام مالک ۲/ ۴۸۷)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: قربانی کرنا سنت ہے (اور) میں اسے ترک کرنا پسند نہیں کرتا۔ (کتاب الام: ۱/ ۲۲۱)

ثابت ہوا کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر نمازِ عید کے بعد قربانی کرنا سنت مؤکدہ ہے اور شرعی عذر کے بغیر قربانی نہ کرنا ناپسندیدہ ہے۔

بعض منکرینِ حدیث نے بہت سے عقائد ومسائل ضروریہ کے انکار کے ساتھ، قربانی

کے سنت ہونے کا بھی انکار کر دیا ہے، حالانکہ قربانی کا ثبوت احادیث صحیحہ متواترہ بلکہ قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ (مثلاً دیکھئے سورۃ الصافات: ۱۰۷، الحج: ۳۴، الانعام: ۱۶۲)

قربانی کا اصطلاحی مفہوم

عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد پہلے دن یا قربانی کے دنوں میں بهيمة الأنعام (مثلاً بکری، بھیڑ، گائے اور اونٹ) میں سے کسی جانور کو شرعی طریقے پر بطورِ قربانی وتقرب ذبح کرنا قربانی کہلاتا ہے۔

تنبیہ: شہر ہو یا گاؤں ہو، نمازِ عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

قربانی کرنے والے کے لئے اہم شرائط

۱) قربانی کرنے والے کا صحیح العقیدہ مسلمان ومتبعِ کتاب وسنت ہونا اور شرک، کفر و بدعات سے پاک ہونا ضروری ہے اور جس کا عقیدہ خراب ہو، اس کا کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہے۔ قرآن، حدیث اور اجماع کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہر وقت اپنے ایمان وعمل کا خاص خیال رکھیں۔ [1]

۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ کرے تو اسے اپنے بال اور ناخن تراشنے سے رُک جانا چاہیے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۷۷)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قربانی کرنے والے شخص کو یکم ذوالحجہ سے لے کر قربانی کرنے تک اپنے بال نہیں کاٹنے چاہئیں اور ناخن نہیں تراشنے چاہئیں۔

اگر کسی کا ناخن ٹوٹ جائے یا ایسی خرابی ہو جائے کہ ناخن تراشنا ضروری ہو تو پھر ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ اجماع سے ثابت ہے۔

۳) ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا: اگر مجھے صرف مادہ

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے یہی کتاب (ص ۹۹) [معاذ]

جانور (دودھ دینے والا) قربانی کے لئے ملے تو کیا میں اس کی قربانی کرلوں؟

آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن تم ناخن اور بال کاٹ لو، مونچھیں تراش لو اور شرمگاہ کے بال مونڈ لو تو اللہ کے ہاں یہ تمھاری پوری قربانی ہے۔ (سنن ابی داود: ۲۷۸۹ وسندہ حسن)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قربانی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ اگر یکم ذوالحجہ سے لے کر نمازِ عید تک بال نہ کٹوائے اور ناخن نہ تراشے تو اسے پوری قربانی کا ثواب ملتا ہے۔ سبحان اللہ

قربانی کا مقصد

قربانی کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ مطہرہ پر خلوصِ نیت سے عمل کرنا ہے اور ان شاء اللہ اس کا بہت بڑا ثواب ملے گا۔

قربانی کے جانور کی شرائط

کس قسم کے جانور کی قربانی کرنی چاہئے اور اس کی کیا شرائط ہیں؟ مختلف فقروں اور نمبروں کی صورت میں اس کی تفصیل پیشِ خدمت ہے:

۱) قربانی صرف مُسنہ یعنی دوندے جانور کی ہی جائز ہے اور اگر تنگی کی وجہ سے دوندا نہ مل سکے تو پھر بھیڑ (دنبے) کا جذعہ (ایک سال کے دنبے) کی قربانی جائز ہے۔

(دیکھئے صحیح مسلم: ۱۹۶۳)

تنگی سے مراد صرف یہ ہے کہ مارکیٹ اور منڈی میں پوری کوشش اور تلاش کے باوجود دوندا جانور نہ مل سکے۔ [1]

۲) حدیث سے ثابت ہے کہ چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے:

۱: واضح طور پر کانا جانور ۲: واضح طور پر بیمار ۳: واضح طور پر لنگڑا

---

[1] یا پھر اس کی قیمت ہی قوت خرید سے باہر ہو۔ تفصیل کے لیے دیکھئے یہی کتاب (ص ۱۰۳) [معاذ]

۴: اور بہت زیادہ کمزور جانور جو کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو۔ (سنن ابی داود: ۲۸۰۲ و سندہ صحیح) [1]

۳) سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ کٹے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے۔

امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: ایسا جانور جس کا آدھا سینگ یا اس سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہو۔ (سنن ترمذی: ۱۵۰۴، وقال: حسن صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی سے دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا: (قربانی کے جانور میں) آنکھ اور کان دیکھیں۔ (سنن ترمذی: ۱۵۰۳، وقال: حسن صحیح)

اس پر اجماع ہے کہ اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ (المجموع شرح المہذب ۸/۴۰۴)

امام خطابی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۸ھ) نے فرمایا: اس حدیث (جو فقرہ نمبر ۲ میں گزر چکی ہے) میں یہ دلیل ہے کہ قربانی (والے جانور) میں معمولی نقص معاف ہے۔ (معالم السنن ۲/۱۹۹)

عبید بن فیروز (تابعی) نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ (صحابی) سے کہا: مجھے ایسا جانور بھی ناپسند ہے جس کے دانت میں نقص ہو۔

انھوں نے فرمایا: تمھیں جو چیز بُری لگے اسے چھوڑ دو اور دوسروں پر اُسے حرام نہ کرو۔

(سنن ابی داود: ۲۸۰۳ و سندہ صحیح)

تنبیہ: اگر کسی جانور کے سینگ پر معمولی رگڑ ہو یا اس کے اوپر والی ٹوپی ٹوٹ گئی ہو تو امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ کی مذکورہ روایت کی رُو سے اس کی قربانی جائز ہے۔

(نیز دیکھئے متفرق مسائل فقرہ نمبر ۸)

قربانی کی کھالیں

قربانی کی کھالیں مسکین لوگوں میں تقسیم کر دیں، جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ والی حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۱۳۱۷)

[1] اس روایت کی صحت پر اعتراض کے جواب کے لیے دیکھئے یہی کتاب (ص ۱۰۸) [معاذ]

ذبح کرنے والے یا قصاب کو اُجرت میں قربانی کی کھالیں دینا جائز نہیں ہے اوراسی طرح اُجرت میں قربانی کا گوشت دینا بھی جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

گوشت کی تقسیم

قربانی کا سارا گوشت خود کھانا یا ذخیرہ کرلینا جائز ہے اوراس کے تین حصے کرکے ایک حصہ اپنے لئے ، ایک غریب مسکین لوگوں کے لئے اور ایک رشتہ داروں دوستوں کے لئے مخصوص کرنا بھی جائز ہے، بلکہ یہ بہتر ہے۔ (نیز دیکھئے سورۃ الحج کی آیت نمبر ۲۸، ۳۶)

قربانی کے حصے اور شراکت

بکری اور دُنبے بھیڑ کا صرف ایک حصہ ہوتا ہے، لیکن گائے ، بیل اور اونٹ اونٹنی میں سات حصے صحیح حدیث سے ثابت ہیں اور ایک حسن روایت سے اونٹ ، اونٹنی میں دس حصوں کا بھی ثبوت ہے۔ (دلیل کے لئے دیکھئے صحیح مسلم: ۱۳۱۸، سنن ترمذی: ۱۵۰۱، وقال: حسن غریب)

تنبیہ: صرف صحیح العقیدہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر سات یا دس حصوں میں شراکت ہوسکتی ہے اور اہلِ بدعت، گمراہ وضال مضل لوگوں کے ساتھ مل کر کبھی قربانی نہیں کرنی چاہئے اور نہ ایسے گمراہوں کے کسی عمل کا کوئی وزن ہے، بلکہ ایسے لوگوں کے تمام اعمال ھباءً ا منثورًا کرکے ہوا میں اُڑا دیئے جائیں گے۔ ان شاء اللہ [1]

متفرق مسائل

آخر میں قربانی کے بارے میں کئی متفرق مسائل فقرات کی صورت میں پیشِ خدمت ہیں:

۱) جانور کو ذبح کرتے وقت تسمیہ وتکبیر (بسم اللہ واللہ اکبر) کہنا سنت سے ثابت ہے۔
(دیکھئے صحیح مسلم: ۱۹۶۶، صحیح بخاری: ۵۵۶۴)

صرف بسم اللہ پڑھنا بھی ثابت ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۱۹۶۷)

---

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھئے یہی کتاب (ص ۱۰۰ تا ۱۰۲) [معاذ]

۲) پورے گھر کی طرف سے ایک قربانی بھی کافی ہے۔ (سنن الترمذی: ۱۵۰۵، وقال: حسن صحیح)
اور گھر کے دوسرے افراد بھی قربانیاں کر سکتے ہیں۔

۳) میت کی طرف سے قربانی کرنا ثابت نہیں اور اس بارے میں جو روایت آئی ہے، اس کی سند شریک قاضی و حکم بن عتیبہ مدلسین کی عن سے روایت اور ابوالحسناء کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ یا کسی میت کی طرف سے قربانی کرے تو اس کا سارا گوشت اور کھال وغیرہ صدقہ کر دے۔

۴) قربانی کا جانور پہلے سے خرید کر اسے کھلا پلا کر موٹا کرنا جائز ہے۔
(دیکھئے تغلیق التعلیق ۵/۶ وسندہ صحیح)

۵) عیدگاہ میں قربانی کرنا جائز ہے اور عیدگاہ کے باہر مثلاً اپنے گھر میں یا گھر سے باہر وغیرہ میں قربانی کرنا بھی جائز ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۵۵۵۲، ۵۵۵۱)

۶) قربانی کا جانور خود ذبح کرنا سنت ہے اور دوسرے سے ذبح کروانا بھی جائز ہے۔
(دیکھئے موطأ امام مالک، روایۃ ابن القاسم تحقیقی: ۱۴۵)

۷) اگر مسنون یا نفلی قربانی کا جانور گم ہو جائے تو جانور کے مالک کی مرضی ہے کہ دوسرا جانور لے کر قربانی کرے یا قربانی نہ کرے۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ ۹/۲۸۹ وسندہ صحیح)

۸) سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے قربانی کے جانوروں میں ایک کانی اونٹنی دیکھی تو فرمایا: اگر یہ خریدنے کے بعد کانی ہوئی ہے تو اس کی قربانی کر لو اور اگر خریدنے سے پہلے یہ کانی تھی تو اسے بدل کر دوسری اونٹنی کی قربانی کرو۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۸۹ وسندہ صحیح)
ثابت ہوا کہ اگر قربانی کا جانور خرید لیا جائے اور اس کے بعد اس میں کوئی نقص واقع ہو جائے تو ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔

۹) اگر قربانی کا ارادہ رکھنے والا کوئی شخص ناخن یا بال کٹوا دے اور پھر قربانی کرے تو اس کی قربانی ہو جائے گی، لیکن یہ شخص گناہ گار ہوگا۔ (الشرح الممتع ۳/۴۳۰)

۱۰) اگر کسی دوسرے کی طرف سے قربانی کی جائے تو ذبح کرتے وقت اس آدمی کا نام

لیتے ہوئے یہ کہنا چاہئے کہ یہ قربانی اُس کی طرف سے ہے۔

تنبیہ: اس سلسلے میں تفصیلی دلائل و مسائل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی و علمی مقالات (۲/۲۱۱۔۲۱۹)

۱۱) خصی جانور کی قربانی جائز ہے اور اس کے ناجائز ہونے کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے۔[1]

۱۲) اگر کسی آدمی کو اللہ نے مال و دولت عطا کیا ہوا ہے تو وہ کئی قربانیاں کر سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے اس عمل سے غرباء و مساکین اور عام مسلمانوں کا فائدہ ہوگا۔

۱۳) گائے کا گوشت کھانا بالکل حلال ہے اور کسی قسم کی کسی بیماری کا کوئی خطرہ نہیں ہے اِلا یہ کہ کوئی شخص بذاتِ خود ہی بیمار ہو۔ جس روایت میں آیا ہے کہ گائے کے گوشت میں بیماری ہے، وہ روایت ضعیف ہے اور اسے صحیح قرار دینا غلط ہے۔[2]

۱۴) اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم (۳۶۰) کی حدیث سے ثابت ہے اور دوسرا گوشت مثلاً گائے، بکری اور بھیڑ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۱۵) قربانی کا اصل مقصد یہ ہے کہ تقویٰ حاصل ہو، لہٰذا ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ (دیکھئے سورۃ الحج: ۳۷)

۱۶) قربانی کے جانور (مثلاً گائے) میں عقیقے کے حصے شامل کر دینا جائز نہیں اور یاد رہے کہ عقیقے میں صرف بکرا بکری یا بھیڑ دنبے ذبح کرنا ہی ثابت ہے، لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک۔ عقیقہ علیحدہ کرنا چاہئے اور قربانی علیحدہ کرنی چاہئے۔

جھوٹ بولنے، غیبت کرنے، چغلی کھانے اور ہر قسم کے کبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو ہمیشہ بچائیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اور ہمارے اعمال اپنے دربار میں قبول[3] فرمائے۔ آمین وما علینا إلا البلاغ [مقالات ۵/۱۹۹]

---

[1] خصی جانور کی قربانی کے جواز پر جمہور علماء کا اجماع ہے، دیکھئے یہی کتاب (ص ۱۰۶) [معاذ]

[2] گائے کے گوشت اور دودھ کے لیے دیکھئے یہی کتاب (ص ۱۰۸) [معاذ]

[3] اسی مسئلہ کی مزید توضیح کے لیے دیکھئے یہی کتاب (ص ۱۰۷) [معاذ]

قربانی کے احکام ومسائل

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين ، أما بعد :

عیدالاضحیٰ کے موقع پر جو قربانی کی جاتی ہے، اس کے بعض احکام ومسائل پیشِ خدمت ہیں:

۱) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا رأيتم هلال ذی الحجة و أراد أحدكم أن يضحّی فليمسك عن شعره و أظفاره .)) جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو اسے بال اور ناخن تراشنے سے رُک جانا چاہئے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۷۷، ترقیم دارالسلام: ۵۱۱۹)

اس حدیث میں ''ارادہ کرے'' سے ظاہر ہے کہ قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

دیکھئے المحلّی لابن حزم (۳۵۵/۷ مسئلہ: ۹۷۳)

درج بالا حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قربانی کا ارادہ رکھنے والے کے لئے ناخن تراشنا اور بال مونڈنا منڈوانا، تراشنا ترشوانا جائز نہیں ہے۔

سیدنا ابوسریحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) ابوبکر (الصدیق) رضی اللہ عنہ اور (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ دونوں میرے پڑوسی تھے اور دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۱۹۸/۷ ح ۵۶۳۳ وسندہ حسن، وحسنہ النووی فی المجموع شرح المہذب ۳۸۳/۸، وقال ابن کثیر فی مسند الفاروق ۳۳۲/۱: ''وھذا اسناد صحیح'')

سیدنا ابومسعود عقبہ بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے یہ ارادہ کیا کہ قربانی کو چھوڑ دوں، اگرچہ میں تمھارے مقابلے میں (مالی) آسانی رکھتا ہوں، اس خوف کی وجہ سے کہ کوئی آدمی اسے واجب نہ سمجھ لے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۶۵/۹ وسندہ قوی)

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قربانی سنت ہے، واجب نہیں ہے اور جو شخص اس کی استطاعت رکھے تو میں پسند نہیں کرتا کہ وہ اسے ترک کردے۔ (الموطأ ۴۸۷/۲ تحت ح ۱۰۷۳)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: قربانی کرنا سنت ہے، میں اسے ترک کرنا پسند نہیں کرتا۔

(کتاب الام ج ۲ ص ۲۲۱)

نیز دیکھئے المغنی لابن قدامہ (۹/۳۴۵ مسئلہ: ۷۸۵۱)

امام بخاری نے فرمایا: ''باب سنة الأضحية'' (صحیح بخاری قبل ح ۵۵۴۵)

۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من كان له سعة ولم يضحّ فلا يقربنّ مصلانا .))

جس آدمی کے پاس طاقت ہواور وہ قربانی نہ کرے تو ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

(سنن ابن ماجہ: ۳۱۲۳ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم ۲۳۲/۴ ووافقہ الذہبی ورواہ احمد ۳۲۱/۲)

اس روایت میں عبداللہ بن عیاش المصری مختلف فیہ راوی ہیں جن پر کبار علماء وغیرہم نے جرح کی اور جمہور نے توثیق کی، تقریباً پانچ اور چھ کا مقابلہ ہے۔! (۱) ؟؟

روایتِ مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قربانی کا استخفاف وتوہین کرتے ہوئے استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے تو اسے مسلمانوں کی عیدگاہ سے دور رہنا چاہئے یعنی یہ روایت قربانی کے استحباب وسُنیت پر محمول اور منکرینِ حدیث کا رد ہے۔

۳) سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے، اگر مجھے صرف مادہ قربانی (دودھ دینے والا جانور) ملے تو کیا میں اس کی قربانی کردوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، لیکن تم ناخن اور بال کاٹ لو، مونچھیں تراشو، اور شرمگاہ کے بال مونڈ لو تو اللہ کے ہاں تمھاری یہ پوری قربانی ہے۔

(سنن ابی داود: ۲۷۸۹ وسندہ حسن، وصححہ ابن حبان، الموارد: ۱۰۴۳، والحاکم ۲۲۳/۴ والذہبی)

---

(۱) ابن معین، ابن حبان، ابن مندہ، محمد بن طاہر المقدسی وغیرہ نے واضح اور صریح الفاظ میں توثیق کی، احمد بن حنبل، مسلم بن الحجاج القشیری وغیرہما نے روایت بیان کر کے توثیق کی۔ تقریباً تیرہ (۱۳) موثقین کے مقابلے میں کچھ نے جرح کی مثلاً: ابوحاتم الرازی اور ابن حزم۔ تنبیہ: ابن یونس المصری کی جرح ان کی توثیق کے معارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہے۔ ابن یونس کی توثیق کے لیے دیکھئے التوحید لابن مندہ (۵۲ وسندہ صحیح)

اس راوی کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے تحقیقی مقالات ۲۳۰/۵ [معاذ]

اس حدیث کے راوی عیسیٰ بن ہلال الصدفی صدوق ہیں۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۵۳۳۷)

انھیں یعقوب بن سفیان الفارسی (المعرفۃ والتاریخ ۲/۵۱۵، ۴۸۷) اور ابن حبان وغیرہما نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ایسے راوی کی روایت حسن کے درجے سے کبھی نہیں گرتی۔

عیاش بن عباس القتبانی ثقہ تھے۔ دیکھئے التقریب (۵۲۶۹) باقی سند صحیح ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قربانی کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، وہ اگر ذوالحجہ کے چاند سے لے کر نمازِ عید سے فارغ ہونے تک بال نہ کٹوائے اور ناخن نہ تراشے تو اسے قربانی کا ثواب ملتا ہے۔

۴) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن .))

دو دانتوں والے (دوندے) جانور کے علاوہ ذبح نہ کرو اِلا یہ کہ تم پر تنگی ہو جائے تو دُنبے کا جذعہ ذبح کر دو۔ (صحیح مسلم: ۱۹۶۳، ترقیم دارالسلام: ۵۰۸۲)

بکری (یا بھیڑ) کے اس بچے کو جذعہ کہتے ہیں جو آٹھ یا نو ماہ کا ہو گیا ہو۔

دیکھئے القاموس الوحید (ص ۲۴۳)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: جمہور کے نزدیک بھیڑ (دُنبے) کا جذعہ اسے کہتے ہیں جس نے ایک سال پورا کر لیا ہو۔ (فتح الباری ۱۰/۵ تحت ح ۵۵۴۷)

بہتر یہی ہے کہ ایک سال کا جذعہ بھیڑ میں سے ہو، ورنہ آٹھ نو ماہ کا بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ بلیغ: صحیح مسلم کی اس حدیث پر عصرِ حاضر کے شیخ البانی رحمہ اللہ کی جرح (دیکھئے الضعیفۃ: ۶۵، ارواء الغلیل: ۱۱۴۵) مردود ہے۔

مستدرک الحاکم (۴/۲۲۶ ح ۷۵۳۸ وسندہ صحیح) کی حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مسنہ نہ ہونے کی حالت میں جذعہ کی قربانی کافی ہے۔

۵) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أربع لا تجوز في الأضاحي: العوراء بيّن عورها والمريضة بيّن مرضها والعرجاء بيّن ظلعها والكسير التي لا تنقي.)) چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے: ایسا کانا جس کا کانا پن واضح ہو، ایسا بیمار جس کی بیماری واضح ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن واضح ہو اور بہت زیادہ کمزور جانور جو کہ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو۔

(اس حدیث کے راوی عبید بن فیروز تابعی نے) کہا: مجھے ایسا جانور بھی ناپسند ہے جس کے دانت میں نقص ہو؟ تو (سیدنا) براء (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: تمھیں جو چیز بُری لگے اُسے چھوڑ دو اور دوسروں پر اُسے حرام نہ کرو۔ (سنن ابی داود: ۲۸۰۲)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اسے ترمذی (۱۴۹۷) ابن خزیمہ (۲۹۱۲) ابن حبان (۱۰۴۶، ۱۰۴۷) ابن الجارود (۴۸۱، ۹۰۷) حاکم (۱/ ۴۶۷، ۴۶۸) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ جس چیز کے بارے میں دل میں شبہ ہو اور اسی طرح مشکوک چیزوں سے بچنا جائز ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ کٹے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے۔

مشہور تابعی امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے فرمایا: ایسا جانور جس کا آدھا سینگ یا اس سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہو۔ (سنن النسائی ۷/ ۲۱۷، ۲۱۸ ح ۴۳۸۲ وسندہ حسن وصححہ الترمذی: ۱۵۰۴)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں آیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ (قربانی کے جانور میں) آنکھ اور کان دیکھیں۔ (سنن النسائی ۷/ ۲۱۷ ح ۴۳۸۱ وسندہ حسن وصححہ الترمذی: ۱۵۰۳، وابن خزیمہ: ۲۹۱۴ وابن حبان، الاحسان: ۵۸۹۰ والحاکم ۴/ ۲۲۵ والذہبی)

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ کانے، لنگڑے، واضح بیمار، بہت زیادہ کمزور، سینگ (ٹوٹے یا) کٹے اور کان کٹے جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔

علامہ خطابی (متوفی ۳۸۸ھ) نے فرمایا: اس (سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ) حدیث میں دلیل ہے کہ قربانی میں معمولی نقص معاف ہے الخ (معالم السنن ۲/ ۱۹۹ تحت ح ۶۸۳)

معلوم ہوا کہ اگر سینگ میں معمولی نقص ہو یا تھوڑا سا کٹا یا ٹوٹا ہوا ہو تو اس جانور کی قربانی جائز ہے۔

نووی نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔

(المجموع شرح المہذب ۴۰۴/۸)

۶) رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ قربانی کا گوشت، کھالیں اور جھولیں لوگوں میں تقسیم کر دیں اور قصاب کو اُس میں سے (بطورِ اجرت) کچھ بھی نہ دیں۔

دیکھئے صحیح بخاری (۱۷۱۷) وصحیح مسلم (۱۳۱۷) اور یہی مضمون فقرہ نمبر ۲۷

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو جانور اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے (مثلاً قربانی اور عقیقہ) اس کا بیچنا جائز نہیں ہے۔ دیکھئے شرح السنہ للبغوی (۱۸۸/۷ ح ۱۹۵۱)

۷) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو سفید و سیاہ اور سینگوں والے مینڈھے اپنے ہاتھ سے ذبح فرمائے، آپ نے تسمیہ و تکبیر (بسم اللہِ واللّٰہُ اکبر) کہی اور اپنا پاؤں اُن کی گردنوں پر رکھا۔

(صحیح مسلم: ۱۹۶۶، ترقیم دارالسلام: ۵۰۸۷، صحیح بخاری: ۵۵۶۴)

آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ چُھری کو پتھر سے تیز کرو۔ پھر آپ نے مینڈھے کو لٹا کر ذبح کیا اور فرمایا: بسم اللہ، اے میرے اللہ! محمد، آلِ محمد اور امتِ محمد (ﷺ) کی طرف سے قبول فرما۔ (صحیح مسلم: ۱۹۶۷، دارالسلام: ۵۰۹۱)

۸) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ والے سال سات (آدمیوں) کی طرف سے (ایک) اونٹ اور سات کی طرف سے (ایک) گائے ذبح کی۔

(صحیح مسلم: ۱۳۱۸، ترقیم دارالسلام: ۳۱۸۵)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ اضحیٰ (عید قربان) آ گئی تو ہم نے (ایک) گائے میں سات (آدمی) اور (ایک) اونٹ میں دس (آدمی) شریک کئے۔ (سنن الترمذی: ۱۵۰۱، وقال: ''حسن غریب'' الخ وسندہ حسن)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اونٹ میں سات یا دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور گائے میں صرف سات حصہ دار ہوتے ہیں۔ بکری اور مینڈھے میں اتفاق ہے کہ صرف ایک آدمی کی طرف سے ہی کافی ہے۔

حدیثِ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سفر میں قربانی کرنا جائز ہے۔

۹) نمازِ عید کے بعد قربانی کرنی چاہئے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۵۴۵) وصحیح مسلم (۱۹۶۱)

عید کی نماز سے پہلے قربانی جائز نہیں ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۲۴

۱۰) سیدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: مسلمانوں میں سے کوئی (مدینہ میں) اپنی قربانی خریدتا تو اسے (کھلا پلا کر) موٹا کرتا پھر اضحیٰ کے بعد آخری ذوالحجہ (!) میں اسے ذبح کرتا تھا۔ (المستخرج لابی نعیم بحوالہ تغلیق التعلیق ۶/۵ وسندہ صحیح وقال أحمد: "هذا الحديث عجب" صحیح البخاری قبل ح ۵۵۵۳ تعلیقاً) [1]

تنبیہ: "مدینہ میں" والے الفاظ صحیح بخاری میں ہیں۔

۱۱) میت کی طرف سے قربانی کا ذکر جس حدیث میں آیا ہے وہ شریک القاضی اور حکم بن عتیبہ دو مدلسین کی تدلیس (عن سے روایت کرنے) اور ابوالحسناء مجہول کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۲۷۹۰ بتحقیقی) سنن الترمذی (۱۴۹۵) اور اضواء المصابیح (۱۴۶۲)

تاہم صدقے کے طور پر میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے لہٰذا اس قربانی کا سارا گوشت اور کھال وغیرہ مسکین یا مساکین کو صدقے میں دینا ضروری ہے۔

تنبیہ: عام قربانی (جو صدقہ نہ ہو) کی کھال خود استعمال میں لائیں یا کسی دوست کو تحفہ دے دیں، یا کسی مسکین کو صدقہ کر دیں...... [نیز دیکھئے فتاویٰ علمیہ: ۲/۲۴۳۔۲۴۴، معاذ]

---

[1] ابن قدامہ الحنبلی نے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا کہ "هذا حديثٌ عجيبٌ"۔
(الشرح الکبیر علی المقنع: ۹/۳۶۸، المغنی: ۱۳/۳۸۷، نیز دیکھئے فتح الباری لابن حجر العسقلانی: ۱۰/۱۰) [معاذ]

۱۲) سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم ایک بکری کی قربانی کیا کرتے تھے، آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے (ایک بکری قربان کرتا تھا) پھر بعد میں لوگوں نے ایک دوسرے پر فخر (اور ریس) کرنا شروع کر دیا۔

(موطأ امام مالک ج ۲ ص ۴۸۶ ح ۱۰۶۹، وسندہ صحیح، النسخۃ الباکستانیہ ص ۴۹۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۶۸، سنن الترمذی: ۱۵۰۵، وقال: ''حسن صحیح'' سنن ابن ماجہ: ۳۱۴۷ وصححہ النووی فی المجموع شرح المہذب ۸/۳۸۴)

سنن ابن ماجہ وغیرہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ اور صحابہ کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا تھا۔ (وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ اگر گھر کا سربراہ یا کوئی آدمی ایک قربانی کر دے تو وہ سارے گھر والوں کی طرف سے کافی ہے۔

۱۳) عیدگاہ میں قربانی کرنا جائز ہے اور عیدگاہ کے باہر اپنے گھر وغیرہ میں قربانی کرنا بھی جائز ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۵۵۲، ۵۵۵۱)

۱۴) قربانی کا جانور خود ذبح کرنا سنت ہے اور دوسرے سے ذبح کروانا بھی جائز ہے۔

دیکھئے الموطأ (روایۃ ابن القاسم: ۱۴۵، تحقیقی وسندہ صحیح، السنن الصغریٰ للنسائی ح ۴۴۲۴، مسند احمد ۳/۳۸۸)

۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائیں ذبح کی تھیں۔

(صحیح بخاری: ۵۵۵۹، صحیح مسلم: ۱۲۱۱)

تنبیہ: جن روایات میں آیا ہے کہ گائے کے گوشت میں بیماری ہے، اُن میں سے ایک بھی صحیح ثابت نہیں ہے۔ (۱)

۱۶) سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بنو تغلب والے عیسائیوں کے ذبیحے نہ کھاؤ کیونکہ وہ اپنے دین میں سے سوائے شراب نوشی کے کسی پر بھی قائم نہیں ہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۸۴ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ مرتدین اور ملحدین کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

---

(۱) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے یہی کتاب (ص ۱۰۸) [معاذ]

۱۷) قربانی کا گوشت خود کھانا ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۱۹

۱۸) ایک دفعہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں قربانی کی اور سر منڈوایا، آپ فرماتے تھے: جو شخص حج نہ کرے اور قربانی کرے تو اُس پر سر منڈوانا واجب نہیں ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۸۸/۹ وسندہ صحیح، الموطأ ۴۸۳/۲ ح ۱۰۶۲)

۱۹) قربانی کا گوشت خود کھانا، دوستوں رشتہ داروں کو کھلانا اور غریبوں کو تحفتاً دینا تینوں طرح جائز ہے۔ مثلاً دیکھئے سورۃ الحج (آیت نمبر ۲۸، ۳۶، اور فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۰۹/۲۶ وغیرہ)

۲۰) سیدنا عبداللہ بن عمر فرماتے تھے: جو شخص قربانی کے جانور (بیت اللہ کی طرف) روانہ کرے پھر وہ گم ہو جائیں، اگر نذر تھی تو اسے دوبارہ بھیجنے پڑیں گے اور اگر نفلی قربانی تھی تو اس کی مرضی ہے دوبارہ قربانی کرے یا نہ کرے۔ (السنن الکبریٰ ۲۸۹/۹ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۵۲ ص ۱۲، ۱۳

۲۱) سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے قربانی کے جانوروں میں ایک کانی اونٹنی دیکھی تو فرمایا: اگر یہ خریدنے کے بعد کانی ہوئی ہے تو اس کی قربانی کرلو اور اگر خریدنے سے پہلے یہ کانی تھی تو اسے بدل کر دوسری اونٹنی کی قربانی کرو۔ (السنن الکبریٰ ۲۸۹/۹ وسندہ صحیح)

۲۲) قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت اس کا چہرہ قبلہ رخ ہونا چاہئے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ اس ذبیحے کا گوشت کھانا مکروہ سمجھتے تھے جسے قبلہ رخ کئے بغیر ذبح کیا جاتا تھا۔

(مصنف عبدالرزاق ۴۸۹/۴ ح ۸۵۸۵ وسندہ صحیح)

۲۳) منکرینِ حدیث قربانی کی سنیت کے منکر ہیں حالانکہ متواتر احادیث و آثار سے قربانی کا سنت ہونا ثابت ہے اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ ہر جاندار میں ثواب ہے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۲۳۶۳) و صحیح مسلم (۲۲۴۴)

۲۴) عید کی نماز میں دیر نہیں کرنی چاہئے بلکہ اسے جلدی پڑھنا سنت ہے۔

ایک دفعہ ایک امام نے عید کی نماز میں دیر کی تو عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے اس پر انکار کیا اور فرمایا: ہم تو اس وقت (جب چاشت کی نماز پڑھی جاتی ہے) اس نماز سے فارغ ہو

جاتے تھے۔ (سنن ابی داود: ۱۱۳۵، وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم علی شرط البخاری ۲۹۵/۱ ووافقہ الذہبی)[1]

نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۹

۲۵) اگر قربانی کا ارادہ رکھنے والا کوئی شخص ناخن یا بال کٹوا دے اور پھر قربانی کرے تو اس کی قربانی ہو جائے گی لیکن وہ گناہگار ہوگا۔ (الشرح الممتع علی زاد المستقنع لابن عثیمین ۴۳۰/۳)

۲۶) قربانی ذبح کرنے والا اور شرکت کرنے والے حصہ دار سب صحیح العقیدہ ہونے چاہئیں۔

۲۷) اگر کسی کی طرف سے قربانی کی جائے تو ذبح کے وقت اس کا نام لیتے ہوئے یہ کہنا چاہئے کہ یہ قربانی اس (فلاں) کی طرف سے ہے۔

۲۸) قولِ راجح میں قربانی کے تین دن ہیں۔ دیکھئے الحدیث: شمارہ ۴۴ ص ۶ تا ۱۱

[تحقیقی مقالات: ۲۱۱/۲]



[1] تفصیل کے لیے دیکھئے یہی کتاب (ص ۱۰۶) [معاذ]

قربانی کے اجماعی مسائل

قربانی کے بارے میں امام ابن المنذر رالنیسابوری کی مشہور کتاب ''الاجماع'' سے اجماعی مسائل پیشِ خدمت ہیں:

''۲۱۷- اجماع ہے کہ قربانی کے دن طلوع فجر (صبح صادق) سے پہلے قربانی جائز نہیں۔

۲۱۸- اجماع ہے کہ قربانی کا گوشت مسلمان فقیروں کو کھلانا مباح ہے۔

۲۱۹- اجماع ہے کہ اگر جائز آلہ سے قربانی کرے، بسم اللہ پڑھے، حلق اور دونوں رگیں کاٹ دے اور خون بہادے، تو ایسے قربان شدہ جانور کا کھانا مباح ہے۔

۲۲۰- اجماع ہے کہ گونگے کا ذبیحہ جائز ہے۔

۲۲۱- اجماع ہے کہ ذبیحہ کے پیٹ سے بچہ مردہ برآمد ہو تو اسکی ماں کی قربانی اس کے لئے کافی ہوگی۔

۲۲۲- اجماع ہے کہ عورتوں اور بچوں کا ذبیحہ مباح ہے اگر صحیح طریقہ سے ذبح کرسکیں۔

۲۲۳- اجماع ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہمارے لئے حلال ہے اگر بسم اللہ پڑھکر ذبح کریں۔

۲۲۴- اجماع ہے کہ دارالحرب میں مقیم (اہل کتاب) کا ذبیحہ حلال ہے۔

۲۲۵- اجماع ہے کہ مجوس کا ذبیحہ حرام ہے، کھایا نہیں جائے گا۔

۲۲۶- اجماع ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں اور بچوں کا ذبیحہ حلال ہے (بسم اللہ کی شرط کے ساتھ)

۲۲۷- اجماع ہے کہ کتے شکاری جانور ہیں، اگر کسی مسلمان نے انھیں شکار کرنا سکھایا، اور بسم اللہ کے بعد شکار پر چھوڑا، اور اس نے اس شخص کے لئے شکار پکڑ لیا تو ایسا شکار کھانا جائز ہے، بشرطیکہ کالا کتا نہ ہو۔

۲۲۸- اجماع ہے کہ دریائی شکار، یا اس کی خرید وفروخت، یا خورد ونوش حالتِ احرام وغیرہ میں بھی جائز ہے۔'' (کتاب الاجماع ص ۵۲، ۵۳، مترجم ابوالقاسم عبدالعظیم) [1] [تحقیقی مقالات: ۲/ ۲۱۹]

---

[1] پیدائشی بے سینگ جانور کی قربانی کے جواز پر اجماع کے لیے دیکھئے یہی کتاب (ص ۱۰۷) [معاذ]

قربانی کے تین دن ہیں

سوال محترم حافظ صاحب میری، اللہ سے دُعا ہے کہ اللہ آپکو صحت و عافیت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے اور اللہ آپکے رسالے ''الحدیث'' کو دن دُگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ محترم الشیخ ''الحدیث'' کا ہر شمارہ علم و تحقیق کا شاہکار اور تحقیقی مضامین کا گھوارہ ہوتا ہے۔ محترم الشیخ آپ نے رسالے کی قیمت سالانہ ۲۰۰ روپے رکھی ہے اگر یہ ایک رسالہ مجھے ۲۰۰ روپے کا بھی ملے تو میں یہ رسالہ لینے کے لئے تیار ہوں۔ اللہ آپکی اس محنت کو قبول فرمائے (آمین) مگر افسوس! اتنا تحقیقی رسالہ ہمارے اہلِ حدیث بھائیوں تک نہیں پہنچتا اور وہ قرآن و حدیث پر مبنی اس رسالے سے ناواقف ہیں۔ اہلِ حدیث بھائیوں کے علاوہ پاکستان کے تمام اہلِ حدیث علماء کے پاس بھی یہ رسالہ نہیں پہنچ رہا صرف چند ایک علماء کے پاس یہ رسالہ پہنچتا ہے۔ میری آپ سے اور تمام اہلِ حدیث بھائیوں سے گزارش ہے کہ اس رسالے کو اکثر اہلِ حدیث علماء تک پہنچائیں اور اہلِ حدیث طلباء جو مدارس میں پڑھ رہے ہیں وہاں بھی یہ رسالہ پہنچنا چاہئے تاکہ نوجوان نسل میں علم و تحقیق کی لہر دوڑے اور وہ اس رسالے کو پڑھ کر تحقیق کی طرف آئیں اور وہ اسماء الرجال کا علم حاصل کریں اور وہ مسلک اہلِ حدیث کی خوب خدمت کرسکیں۔

محترم الشیخ صاحب! میرے اس خط اور میرے مندرجہ ذیل سوال کو ماہنامہ ''الحدیث'' میں شائع کریں۔ اس ضروری تمہید کے بعد آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا چوتھے دن قربانی کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے؟ میں نے بعض علماء سے سنا ہے کہ چوتھے دن قربانی کرنے والی جو احادیث ہیں وہ ضعیف ہیں اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ قربانی تین دن ہے۔

اس سلسلے میں ہفت روزہ اہلِ حدیث میں فضیلۃ الشیخ عبدالستار حماد حفظہ اللہ نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قربانی چار دن ہے ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

فضیلۃ الشیخ نے لکھا ہے کہ ''قربانی، عید کے بعد تین دن تک کیجا سکتی ہے۔ عید دسویں (۱۰) ذوالحجہ کو ہوتی ہے، اس کے بعد تین دنوں کو ایامِ تشریق کہتے ہیں۔ ایامِ تشریق کو ذبح کے دن قرار دیا گیا ہے چنانچہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمام ایامِ تشریق ذبح کے دن ہیں (مسند امام احمد ص ۸۲ ج ۴) اگرچہ اس روایت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ منقطع ہے لیکن امام ابن حبان اور امام بیہقی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ (صحیح الجامع الصغیر: ۴۵۳۷)

بعض فقہاء نے عید کے بعد صرف دو دن تک قربانی کی اجازت دی ہے ان کی دلیل درج ذیل امر ہے:

قربانی یوم الاضحیٰ کے بعد دو دن تک ہے (بیہقی ص ۲۹۷ ج ۹) لیکن یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ کی مرفوع حدیث کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جا سکتا لہٰذا قابل حجت نہیں۔ علامہ شوکانی نے اس کے متعلق پانچ مذاہب ذکر کیے ہیں پھر اپنا فیصلہ بایں الفاظ لکھا ہے: ''تمام ایامِ تشریق ذبح کے دن ہیں اور وہ یوم النحر کے بعد تین دن ہیں۔'' (نیل الاوطار ص ۱۲۵ ج ۵)

واضح رہے پہلے دن قربانی کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اسی پر عمل پیرا رہے ہیں لہٰذا بلا وجہ قربانی دیر سے نہ کی جائے اگرچہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ غرباء مساکین کو فائدہ پہنچانے کیلئے تاخیر کرنا افضل ہے لیکن یہ محض ایک خیال ہے جس کی کوئی منقول دلیل نہیں ہے۔ نیز اگر کسی نے تیرہ (۱۳) ذوالحجہ کو قربانی کرنا ہو تو غروب آفتاب سے پہلے پہلے قربانی کر دے کیونکہ غروب آفتاب کے بعد اگلا دن شروع ہو جاتا ہے۔''

(ہفت روزہ اہلِ حدیث جلد ۳۸۔ ۷ تا ۱۳ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ ۲۷ اپریل تا ۳ مئی ۲۰۰۷ء)

یہ وہ دلائل ہیں جن کو حافظ عبدالستار حماد حفظہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

محترم الشیخ صاحب مندرجہ بالا دلائل اور ان کے علاوہ چوتھے دن قربانی کے جتنے دلائل ہیں ان کو بیان کریں اور ان کی اسنادی حیثیت کو واضح کریں اور اس مسئلۂ قربانی کے

بارے میں صحیح ترین تحقیق بیان فرمائیں، اللہ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

اس سوال کو الحدیث میں شائع کریں اور اس کا جواب تحریر فرما کر جوابی لفافے میں بھی ارسال فرمائیں۔ (خرم ارشاد محمدی۔ دولت نگر، گجرات ۲۹/ اپریل ۲۰۰۷ء)

الجواب مسند احمد (۸۲/۴ ح ۱۶۷۵۲) والی روایت واقعی منقطع ہے۔

سلیمان بن موسیٰ نے سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ امام بیہقی نے اس روایت کے بارے میں فرمایا: "مرسل" یعنی منقطع ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۳۹، ج ۹ ص ۲۹۵)

امام ترمذی کی طرف منسوب کتاب العلل میں امام بخاری سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: "سليمان لم يدرك أحدًا من أصحاب النبي ﷺ" سلیمان (بن موسیٰ) نے نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو بھی نہیں پایا۔ (العلل الکبیر ۱/۳۱۳ [ملاحظہ: مقالات ۶/۲۲۴])

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کسی صحیح دلیل سے یہ ثابت نہیں ہے کہ سلیمان بن موسیٰ نے سیدنا جبیر رضی اللہ عنہ کو پایا ہے۔ آنے والی روایت (نمبر ۲) سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ سلیمان بن موسیٰ نے سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نہیں سنی۔

نیز دیکھئے نصب الرایہ (۳/۶۱)

روایت نمبر ۲: صحیح ابن حبان (الاحسان: ۳۸۴۳، دوسرا نسخہ: ۳۸۵۴) والکامل لابن عدی (۳/۱۱۱۸، دوسرا نسخہ ۴/۲۶۰) والسنن الکبریٰ للبیہقی (۹/۲۹۵، ۲۹۶) اور مسند البزار (کشف الاستار ۲/۲۷ ح ۱۱۲۶) وغیرہ میں "سليمان بن موسى عن عبدالرحمن بن أبي حسين عن جبير بن مطعم" کی سند سے مروی ہے کہ ((وفي كلّ أيام التشريق ذبح .)) اور سارے ایامِ تشریق میں ذبح ہے۔ یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

① حافظ البزار نے کہا: "وابن أبي حسين لم يلق جبير بن مطعم" اور (عبدالرحمٰن) ابن ابی حسین کی جبیر بن مطعم سے ملاقات نہیں ہوئی۔

(البحر الزخار ۸/۳۶۴ ح ۳۴۴۴، نیز دیکھئے نصب الرایہ ج ۳ ص ۶۱ والتمہید نسخہ جدیدہ ۱۰/۲۸۳)

② عبدالرحمٰن بن ابی حسین کی توثیق ابن حبان (الثقات ۵/۱۰۹) کے علاوہ کسی اور سے

ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ راوی مجہول الحال ہے۔

روایت نمبر ۳: طبرانی (المعجم الکبیر ۲/۱۳۸ ح ۱۵۸۳) بزار (البحر الزخار ۸/۳۶۳ ح ۳۴۴۳) بیہقی (السنن الکبریٰ ۵/۲۳۹، ۹/۲۹۲) اور دار قطنی (السنن ۴/۲۸۴ ح ۴۷۱۱) وغیرہم نے ''سويد بن عبدالعزيز عن سعيد بن عبدالعزيز التنوخي عن سليمان بن موسى عن نافع بن جبير بن مطعم عن أبيه'' کی سند سے مرفوعاً نقل کیا کہ ((أيام التشريق كلها ذبح)) تمام ایامِ تشریق میں ذبح ہے۔

اس روایت کا بنیادی راوی سوید بن عبدالعزیز ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۶۹۲)

حافظ ہیثمی نے کہا: ''وضعفه جمهور الأئمة''

اور اسے جمہور اماموں نے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ۳/۱۴۷)

روایت نمبر ۴: ایک روایت میں آیا ہے کہ ((عن سليمان بن موسى أن عمرو ابن دينار حدثه عن جبير بن مطعم أن رسول الله ﷺ قال: كل أيام التشريق ذبح)) (سنن الدارقطنی ۴/۲۸۴ ح ۴۷۱۳، والسنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۶)

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

① اس کا راوی احمد بن عیسیٰ الخشاب سخت مجروح ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (ج ۱ ص ۲۴۰، ۲۴۱)

② عمرو بن دینار کی جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔

دیکھئے الموسوعۃ الحدیثیۃ (ج ۲۷ ص ۳۱۷)

تنبیہ: ایک روایت میں ''الوليد بن مسلم عن حفص بن غيلان عن سليمان بن موسى عن محمد بن المنكدر عن جبير بن مطعم'' کی سند سے آیا ہے کہ ''عرفات موقف وادفعوا من عرفة والمزدلفة موقف و ادفعوا عن محسر''

(مسند الشامیین ۲/۳۸۹ ح ۱۵۵۶، ونصب الرایہ ۳/۶۱ مختصراً)

اس روایت کی سند ولید بن مسلم کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور اس میں ایامِ تشریق

میں ذبح کا بھی ذکر نہیں ہے۔

خلاصۃ التحقیق: ایامِ تشریق میں ذبح والی روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے لہٰذا اسے صحیح یا حسن قرار دینا غلط ہے۔

آثارِ صحابہ: روایتِ مسئولہ کے ضعیف ہونے کے بعد آثارِ صحابہ کی تحقیق درج ذیل ہے:

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''الأضحی یومان بعد یوم الأضحی'' قربانی والے دن کے بعد (مزید) دو دن قربانی (ہوتی) ہے۔

(موطأ امام مالک ج ۲ ص ۴۸۷ ح ۱۰۷۱ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/ ۲۹۷)

② سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''النحر یومان بعد یوم النحر و أفضلها یوم النحر'' قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (پہلے) دن ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی ۲/ ۲۰۵ ح ۱۵۷۱، وسندہ حسن)

③ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''الأضحی یومان بعده'' قربانی والے (اول) دن کے بعد دو دن قربانی ہوتی ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی ۲/ ۲۰۶ ح ۱۵۷۶، وھو صحیح)

④ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''النحر ثلاثة أيام'' قربانی کے تین دن ہیں۔

(احکام القرآن للطحاوی ۲/ ۲۰۵ ح ۱۵۶۹، وھو حسن)

تنبیہ: احکام القرآن میں ''حماد بن سلمة بن كهيل عن حجته عن علي'' ہے جبکہ صحیح ''حماد عن سلمة بن كهيل عن حجية عن علي'' ہے جیسا کہ کتبِ اسماء الرجال سے ظاہر ہے اور حماد سے مراد حماد بن سلمہ ہے [1]۔ والحمد للہ

ان کے مقابلے میں چند آثار درج ذیل ہیں:

① حسن بصری نے کہا: عید الاضحیٰ کے دن کے بعد تین دن قربانی ہے۔

(احکام القرآن للطحاوی ۲/ ۲۰۶ ح ۱۵۷۷ وسندہ صحیح، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/ ۲۹۷ وسندہ صحیح)

[1] شرح معانی الآثار للطحاوی (۴/ ۱۷۸ ح ۶۲۳۱) میں ''عن حجية بن عدي'' ہے۔
عینی حنفی نے بھی نخب الافکار (۱۲/ ۵۴۵) بھی یہی نقل کیا ہے۔ [معاذ]

② عطاء (بن ابی رباح) نے کہا: ایامِ تشریق کے آخر تک (قربانی ہے)
(احکام القرآن ۲/۲۰۶ ح ۱۵۷۸ وسندہ حسن، السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۶ وسندہ حسن)

③ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ''الأضحی یوم النحر و ثلاثة أیام بعده''
قربانی عید کے دن اور اس کے بعد تین دن ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۷ وسندہ حسن)

امام شافعی اور عام اہل حدیث علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں۔ بعض علماء اس سلسلے میں سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں لیکن یہ روایت ضعیف ہے جیسا کہ سابقہ صفحات پر تفصیلاً ثابت کر دیا گیا ہے۔

④ سیدنا ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمان اپنی قربانیاں خریدتے پھر انھیں (کھلا کھلا کر) موٹا کرتے پھر عید الاضحیٰ کے بعد آخری ذوالحجہ (تک) کو ذبح کرتے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۷، ۲۹۸ وسندہ صحیح) !! [دیکھئے یہی کتاب حاشیہ ص ۱۹]

ان سب آثار میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول راجح ہے کہ قربانی تین دن ہے: یعنی عید الاضحیٰ اور اس کے بعد والے دو دن۔

ابن حزم نے ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے کہ ''نا زید بن الحباب عن معاویة بن صالح: حدثني أبو مریم: سمعت أبا هریرة یقول: الأضحی ثلاثة أیام''
یعنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قربانی تین دن ہے۔ (المحلی ج ۷ ص ۳۷۷ مسئلہ: ۹۸۲)
اس روایت کی سند حسن ہے لیکن مصنف ابن ابی شیبہ (مطبوع) میں یہ روایت نہیں ملی۔ واللہ اعلم

فائدہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ یہ ممانعت اس کی دلیل ہے کہ قربانی تین دن ہے والا قول ہی راجح ہے۔ اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحتاً اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے اور آثار میں اختلاف ہے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کا یہی قول ہے کہ قربانی کے تین دن (عید الاضحیٰ اور دو دن بعد) ہیں، ہماری تحقیق میں یہی راجح ہے اور امام مالک وغیرہ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم (۲/ مئی ۲۰۰۷ء)

[الحدیث: ۴۴] [فتاویٰ علمیہ ۲/۱۷۵]

قربانی کے چار یا تین دن؟

الحمدللہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

دولت نگر (ضلع گجرات) میں جناب خرم ارشاد محمدی صاحب مسلکِ اہلِ حدیث کی تبلیغ اور دعوت کا عظیم کام کر رہے ہیں اور اُن کی مساعی جمیلہ سے اس علاقے میں مسلکِ حق (مسلکِ اہلِ حدیث) خوب پھیل رہا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے: اُن کی محنت سے ڈیڑھ سو (۱۵۰) سے زیادہ اشخاص نے تقلید کے اندھیروں سے نکل کر کتاب وسنت کا راستہ اپنایا ہے۔ والحمدللہ

خرم صاحب نے مجھے ایک مفصل خط لکھ کر قربانی کے دنوں کی تحقیق کا مطالبہ کیا تھا لہٰذا میں نے اس خط کے جواب میں ایک تحقیقی مضمون لکھا، جسے بعد میں کئی علمائے اہل حدیث (حفظہم اللہ تعالیٰ) کی خدمت میں بھیج دیا۔ جب کئی مہینوں تک اُن کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو پھر ۲/ مئی ۲۰۰۷ء والے مضمون ''قربانی کے تین دن ہیں'' کو خرم صاحب کے مسلسل مطالبۂ اشاعت کے بعد ماہنامہ الحدیث حضرو، عدد: ۴۴ (جنوری ۲۰۰۸ء) میں شائع کر دیا۔ اب کافی عرصے بعد اس تحقیقی مضمون کا ردِ عمل ہفت روزہ اھلحدیث لاہور (جلد ۴۰ شمارہ ۴۷، ۲۸ نومبر تا ۱۱ دسمبر ۲۰۰۹ء) میں جناب ڈاکٹر (پروفیسر) حافظ محمد شریف شاکر صاحب کے قلم سے بعنوان ''قربانی کے چار دن'' شائع ہوا ہے۔ (ص ۱۷۔۲۰)

اس مضمون کے سلسلے میں چند معروضات درج ذیل ہیں:

۱: ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے: ''ایام قربانی عید الاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن ہیں: اس کے قائل حضرت علیؓ ہیں اور یہی مذہب...'' (ص ۱۷)

مؤدبانہ عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ بات کس کتاب میں صحیح یا حسن سند کے ساتھ مذکور ہے؟ حوالہ پیش کریں۔!

حافظ ابن القیم اور علامہ نووی کے اقوال پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک اپنے اقوالِ منقولہ کی کوئی صحیح متصل یا حسن متصل سند پیش نہیں کی اور یہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ ان دونوں کی پیدائش سے صدیوں پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تھے۔ آگے چل کر ڈاکٹر صاحب نے حافظ ابن القیم اور علامہ نووی کے بے سند حوالوں کی بنیاد پر یہ بات بھی لکھ دی ہے کہ ''موصوف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تین دن قربانی والا قول تو نقل کر دیا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چار دن والا درج ذیل قول کیوں کر مفقود نظر رہا؟؟''

(ص ۱۹)

عرض ہے کہ مفقود کی بات تو بعد میں ہوگی، پہلے آپ اس قول کی صحیح یا حسن سند پیش تو فرما دیں!

۲: پرفیسر صاحب نے لکھا ہے:

''...اور آثار میں بھی اختلاف ہے تو موصوف کو اہل حدیث کے متفق علیہ مسلک'' (ص ۱۷)

عرض ہے کہ کیا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اہلِ حدیث کے مسلک سے باہر تھے جو یہ فرماتے تھے کہ قربانی والے دن کے بعد دو دن قربانی ہے۔ (موطأ امام مالک ج ۲ ص ۴۸۷ وسندہ صحیح)

۳: ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے: ''قواعد حدیث کے مطابق صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرجوح ہوتی ہے نہ کہ راجح، تو موصوف صحیح سند کے مقابلے میں حسن سند کو کس اصول کے تحت راجح قرار دے رہے ہیں؟؟''

مزعومہ ومبینہ قواعدِ حدیث میں نظر کے علاوہ عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔ (وھو حسن) اگر اس کے مقابلے میں آپ کے پاس کوئی صحیح سند ہے تو وہ پیش کریں اور اگر صحیح نہیں ہے تو حسن پیش کریں اور اگر کوئی متصل سند ہے ہی نہیں تو پھر حسن سے نامعلوم صحیح (؟) کو ٹکرانا غلط ہے۔

۴: پروفیسر صاحب نے علامہ قرطبی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک چار دن ہیں۔ (ص ۲۰ ملخصاً بعنوان: ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول)

عرض ہے کہ یہ دوسرا قول بے سند ہونے کی وجہ سے غیر ثابت اور مردود ہے، لہٰذا

معارضہ کیسا؟؟ صحیح سند کے مقابلے میں بے سند اقوال پیش کرنے کا آخر فائدہ کیا ہے؟

۵: ڈاکٹر صاحب نے شوکانی یمنی کے حوالے سے لکھا ہے: ''عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ ایام معدودات چار دن ہیں....'' (ص۲۰)

عرض ہے کہ یہ بے سند قول احکام القرآن للطحاوی کی اس روایت کے مقابلے مردود ہے، جس میں آیا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (پہلے) دن ہے۔''

(احکام القرآن للطحاوی: ۲/۲۰۵ ح ۱۵۷۱، وسندہ حسن، دیکھئے الحدیث حضرو: ۴۴ ص ۱۰)

۶: بے سند اقوال والے اس مضمون کے آخر میں پروفیسر صاحب نے لکھا ہے:

''یہ موصوف ہی بتا سکتے ہیں کہ جمہور صحابہ میں کون کون سے صحابہ کرام شامل ہیں؟'' (ص۲۰)

عرض ہے کہ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ (صحابی صغیر) کے اثر کے مقابلے میں اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے آثار جمہور صحابہ کے آثار نہیں ہیں تو پھر جمہور سے کیا مراد ہے؟

یاد رہے کہ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کا اثر: ''پھر عید الاضحیٰ کے بعد آخری ذوالحجہ (تک) کو ذبح کرتے'' (الحدیث: ۴۴ ص ۱۱) کے خود جناب ڈاکٹر اور پروفیسر صاحب بھی قائل نہیں بلکہ چار دنوں کی قربانی کے قائل ہیں، دوسرے یہ کہ یہ اثر مذکورہ بالا جمہور صحابہ کے خلاف ہے۔

۷: پروفیسر صاحب نے لکھا ہے: ''حافظ زبیر علی زئی صاحب کا دعویٰ ہے کہ ''قربانی کے تین دن ہیں'' اور اپنے اس دعویٰ پر انہوں نے پہلی دلیل یہ پیش کی ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا....'' (ص۱۷)

عرض ہے کہ یہ میری پہلی دلیل نہیں بلکہ ذیلی اور تائیدی دلیل ہے، کیونکہ پہلی دلیل تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کے آثار ہیں اور یہ میرے دعوے کے بالکل مطابق ہیں۔

پروفیسر صاحب کا ذیلی دلیل کو پہلی دلیل قرار دے کر میری طرف منسوب کرنا غلط ہے۔

وما علینا إلا البلاغ (۲۵/ نومبر ۲۰۰۹ء) [مقالات ۳/۲۶۱]

جمہور صحابہ کرام اور ایامِ قربانی

قربانی کے تین دن ہیں یا چار؟ اس بارے میں علمائے اہلِ حدیث کے درمیان اختلاف ہے۔اس سلسلے میں ایک مرفوع روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایامِ تشریق ذبح کے دن ہیں، لیکن یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے، جیسا کہ راقم الحروف نے تحقیق کر کے ثابت کر دیا ہے۔ (دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام ج ۲ ص ۱۷۷۔۱۷۹، قربانی کے تین دن ہیں)

اس روایت کو شیخ البانی، حافظ الیاس اثری اور ڈاکٹر (؟) محمد شریف شاکر وغیرہم میں سے کوئی بھی باسند صحیح ثابت نہیں کر سکا، بلکہ سب ناکام رہے ہیں۔

روایت کے ضعیف و مردود ہونے کے بعد عرض ہے کہ سلف صالحین میں قربانی کے دنوں میں اختلاف رہا ہے، جس کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: جمہور صحابہ کرام یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔

(احکام القرآن للطحاوی: ۲/۲۰۵ ح ۱۵۷۱، وسندہ حسن، دیکھئے الحدیث حضرو: ۴۴ ص ۱۰)

صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی سے بھی باسند صحیح یا حسن لذاتہ یہ ثابت نہیں کہ قربانی کے چار دن ہیں۔اس سلسلے میں حافظ الیاس اثری اور ڈاکٹر محمد شریف وغیرہما جو آثارِ صحابہ پیش کرتے ہیں، وہ سارے کے سارے بے سند اور غیر ثابت ہونے کی وجہ سے مردود کے حکم میں ہیں۔ان کے مقابلے میں صرف سیدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے آخری ذوالحجہ تک قربانی کرنے کا قول آیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۹۷۔۲۹۸ وسندہ صحیح)

یہ قول جمہور صحابہ اور خصوصاً خلیفہ راشد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔

۲: تابعین میں سے امام حسن بصری رحمہ اللہ، امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ اور امام عمر بن

عبدالعزیز رحمہ اللہ سے قربانی کے چار دن ثابت ہیں۔

تابعین کرام کے یہ آثار چونکہ صحابۂ کرام کے آثار کے خلاف ہیں، لہٰذا اُن کے مقابلے میں صحابۂ کرام کے آثار کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ محمد شریف شاکر صاحب کا ایک مضمون: ''قربانی کے چار دن'' ہفت روزہ اہلحدیث لاہور میں شائع ہوا ہے۔ (ج ۴۱ شمارہ ۴۶ ص ۲۱۔۲۲ نومبر تا دسمبر ۲۰۱۰ء)

ہمارے اس مضمون میں شاکر صاحب کے اعتراضات ش ش کے مخفف سے اور اُن کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

ش ش (۱): ''موصوف کا یہ جواب نامکمل ہے کیونکہ آپ نے بہت کچھ نظر انداز کر دیا۔'' (ص ۲۱)

عرض ہے کہ میرا جواب بحمد اللہ مکمل ہے اور میں نے وہی باتیں نظر انداز کی ہیں جن کا اصل موضوع کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

ش ش (۲): ''میرے مضمون میں یہ عبارت: کیا کوئی صاحب علم کسی منسوخ حدیث کو بطور دلیل پیش کر سکتا ہے؟ موصوف نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔'' (ص ۲۱)

الجواب: یہ موضوع سے غیر متعلقہ بات ہے، کیونکہ میری دلیل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول اور آثارِ صحابہ ہیں، جبکہ مشار الیہ حدیث کو توضیح الاحکام میں سائل کے سوال کا جواب لکھنے کے بعد آخر میں بطورِ فائدہ ذکر کیا گیا تھا اور ساتھ یہ بھی وضاحت کر دی گئی تھی کہ ''بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔'' (دیکھئے الحدیث حضرو: ۴۴ ص ۱۱)

ماہنامہ الحدیث کا یہی تو وہ شاندار منہج ہے کہ قارئین کے سامنے دونوں رُخ پیش کر دیئے جاتے ہیں اور اس منہج کے جواب سے تمام آلِ تقلید اور آلِ دیوبند عاجز و ساکت اخرس ہیں۔ والحمد للہ

کوئی صاحبِ علم بھی منسوخ حدیث کو منسوخ شدہ مسئلے کے جواز کے لئے بطورِ دلیل پیش نہیں کر سکتا اور نہ راقم الحروف نے کسی منسوخ حدیث کو کسی منسوخ شدہ مسئلے کے جواز کے

لئے بطورِ دلیل کبھی پیش کیا ہے۔ رہی تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے والی منسوخ روایت تو منسوخ کی صراحت کے ساتھ اسے آخر میں بطورِ فائدہ ذکر کر کے یہ لکھ دیا تھا کہ ''اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سے صراحتاً اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے اور آثار میں اختلاف ہے، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کا یہی قول ہے کہ قربانی کے تین دن (عیدالاضحیٰ اور دو دن بعد) ہیں، ہماری تحقیق میں یہی راجح ہے اور امام مالک وغیرہ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم (۲/ مئی ۲۰۰۷ء)'' (الحدیث: ۴۴ ص ۱۱)

یہ وہ عبارت ہے جس نے ش ش اور ان جیسے لوگوں کو پریشان و سرگردان کر رکھا ہے اور بے چارے بھنبھیریاں کھا رہے ہیں۔

ش ش (۳): ''موصوف کی پیش کردہ منسوخ حدیث کے جواب میں علامہ ابن قیم......'' (ص ۲۱)

الجواب: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول اور آثارِ صحابہ کا جواب دیں، جو کہ راقم الحروف کے اعتراف و صراحت کے ساتھ پہلی دلیل ہیں۔ (دیکھئے میری کتاب: تحقیقی...... مقالات ۲/ ۲۶۳)

کیا آپ اور آپ کے تمام مؤیدین کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ قربانی کے چار دن ہیں؟ رہی منسوخ حدیث اور حافظ ابن القیم وغیرہ کا کلام تو یہ میری اصل دلیل ہی نہیں بلکہ اسے بطورِ فائدہ ذکر کیا تھا اور اصل مسئلے میں وجۂ اعتراض نہ ملنے کی وجہ سے مخالفین اسی فائدے پر سینہ آزمائی کر رہے ہیں، حالانکہ یہ ذیلی دلیل صرف میرا استدلال نہیں بلکہ مجھ سے پہلے ابن قدامہ حنبلی نے بھی یہی استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے المغنی ۹/ ۳۵۹ مسئلہ: ۷۸۸۳)

ابن قدامہ سے پہلے ابوالولید الباجی (متوفی ۴۹۴ھ) نے بھی اسی حدیث سے یہی استدلال کیا ہے۔ دیکھئے المنتقیٰ شرح الموطأ للباجی (۴/ ۱۹۴)

قاضی عیاض مالکی (متوفی ۵۴۴ھ) نے بھی اپنے بعض مشائخ سے یہی استدلال نقل کیا ہے۔ دیکھئے اکمال المعلم بفوائد مسلم (۶/ ۴۲۴)

رہا حافظ ابن القیم کا یہ قول کہ ''یہ حدیث قربانی کرنے والے کو اپنی قربانی ذبح کرنے

کے آغاز سے تین دن سے زائد گوشت ذخیرہ کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔" الخ

عرض ہے کہ حافظ ابن القیم نے اس بات کی کوئی صریح دلیل ذکر نہیں کی اور حافظ ابوالعباس القرطبی (متوفی ۶۵۶ھ) نے لکھا ہے: "واختلف في أول الثلاثة الأيام التي كان الإدخار جائزًا فيها. فقيل: أوّلها يوم النحر فمن ضحّى فيه جازله أن يمسك يوم النحر و يومين بعده. ومن ضحّى بعده أمسك مابقي له من الثلاثة الأيام من يوم النحر." اور تین دنوں میں سے پہلے دن کے بارے میں اختلاف ہے، جس میں (گوشت کو) ذخیرہ کرنا جائز تھا، پس کہا گیا ہے: نحر والا دن (۱۰ ذوالحجہ) پہلا دن ہے، لہٰذا اس میں ذبح کرے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس دن اور اس کے بعد دو دن (گوشت) ذخیرہ کرلے۔ اور جو شخص اس (پہلے) دن کے بعد ذبح کرے تو تین دنوں میں سے جو باقی رہ گئے ہیں ان میں (گوشت) روک سکتا ہے۔ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ج۵ ص۳۷۶۔۳۷۷)

اس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے دوسرے دن ذبح کرنے والا دو دن تک گوشت رکھ سکتا تھا اور تیسرے دن ذبح کرنے والا صرف اسی دن ہی استعمال کرسکتا تھا۔

امام قرطبی نے دوسرا قول (حافظ ابن القیم کے مفہوم والا) بھی ذکر کیا ہے اور اسے ظاہر قرار دیا ہے، لیکن ان دونوں اقوال سے معلوم ہوا کہ حدیث کے مفہوم میں دونوں احتمال پائے جاتے ہیں، لہٰذا بغیر کسی صریح دلیل کے صرف حافظ ابن القیم والے قول کو مستدل بنانا محلِ نظر ہے۔ واللہ اعلم

ش ش (۴): "چار دن قربانی کرنے کے جواز میں جو میں نے امام شافعیؒ کا درج ذیل قول ذکر کیا۔ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اس کا جواب نہیں دیا... لانها أيام النسك" الخ (ص۲۱)

الجواب: راقم الحروف نے لکھا تھا: "امام شافعی اور عام اہلِ حدیث علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں۔" (الحدیث: ۴۴ ص۱۱)

اور یہ ظاہر ہے کہ اس مسئلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے

میں امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کے اقوال مرجوح وناقابلِ استدلال ہیں۔ چونکہ سنت میں اس مسئلے کے بارے میں کوئی صریح راہنمائی موجود نہیں، لہٰذا آثارِ سلف صالحین (یعنی آثارِ صحابہ) کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

ش ش (۵): ''تو عرض ہے کہ کیا موصوف محترم کو اپنے ماہ نامہ ''الحدیث'' حضرو کے شمارہ نمبر ۴۴ ماہ جنوری ۲۰۰۸ء میں اپنے بلاسند پیش کردہ آٹھ اقوال نظر نہیں آئے۔ دیکھیں اور بار بار دیکھیں! شاید اس شمارہ کے کسی کونے میں پڑی سندیں مل جائیں!!'' (ص ۲۱)

الجواب: راقم الحروف نے الحدیث حضرو نمبر ۴۴ سارا دیکھ لیا ہے اور بار بار دیکھا ہے، لیکن اس میں ڈاکٹر اور پروفیسر صاحب (!) مذکور کے مزعومہ بلاسند آٹھ اقوال کہیں نظر نہیں آئے، لہٰذا مؤدبانہ عرض ہے کہ انھوں نے کذب وافتراء اور تہمت وبہتان کے راستوں پر گامزن لوگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے صریح غلط بیانی، جھوٹ اور بہتان سے کام لیا ہے اور اگر وہ اپنے آپ کو جھوٹ اور بہتان کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں تو وہ بے سند آٹھ اقوال مع متون وحوالہ پیش کریں، جن سے الحدیث: ۴۴ میں استدلال کیا گیا ہے۔!

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جو ملمع سازی اور کشیدہ کاری کی ہے، اس کا جواب انھیں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

ش ش (۶): ''قواعد حدیث کے مطابق صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرجوح ہوتی ہے۔'' (ص ۲۲)

الجواب: ہم نے قواعدِ حدیث یا اصولِ حدیث میں کہیں نہیں پڑھا کہ ''صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرجوح ہوتی ہے۔'' بلکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ

''**وهو في الاحتجاج به كالصحيح عند الجمهور**'' اور جمہور کے نزدیک وہ حجت ہونے میں صحیح کی طرح (یعنی حجت) ہے۔

(اختصار علوم الحدیث مع الباعث الحثیث ص ۴۶ نوع: ۲، دوسرا نسخہ مع تعلیق الالبانی ج ۱ ص ۱۲۹)

یعنی حسن لذاتہ روایت (وسند) حجت ہونے کے لحاظ سے صحیح کی طرح حجت ہے۔

نیز دیکھئے اختصار علوم الحدیث (مترجم اردو ص ۲۷، از راقم الحروف)

علامہ نووی نے لکھا ہے: "**ثم الحسن کالصحیح فی الاحتجاج به وإن کان دونه فی القوة ولهذا أدرجته طائفة في نوع الصحیح. والله أعلم**" پھر یہ کہ صحیح کی طرح حسن قابلِ حجت ہے اور اگرچہ قوت میں اس سے کم تر ہے اور اس وجہ سے ایک جماعت نے اسے صحیح کی قسم میں شامل کیا ہے۔ واللہ اعلم (التقریب للنووی فی اصول الحدیث ص ۴)

درجے میں کم ہونے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح صحیح حدیث کا درجہ قرآن مجید سے کم ہے اور دونوں یکساں حجت ہیں، صحیح غریب کا درجہ متواتر سے کم ہے اور دونوں یکساں حجت ہیں، اسی طرح حسن حدیث کا درجہ صحیح حدیث سے کم ہے اور دونوں یکساں حجت ہیں۔

یاد رہے کہ یہاں حسن سے ہماری مراد وہ حسن لذاتہ حدیث ہے جو نہ شاذ ہے اور نہ معلول بلکہ محفوظ ہے۔

اللّٰھم باعد بیني والی دعائے استفتاح صحیح لذاتہ حدیث سے ثابت ہے۔

(دیکھئے صحیح بخاری: ۷۴۴، صحیح مسلم: ۵۹۸)

اور **سبحانك اللّٰھم** والی دعائے استفتاح حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھئے اصل صفۃ صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم للالبانی ج ۱ ص ۲۵۲۔۲۵۷)

اور دونوں پر عمل کرنا بالکل صحیح ہے۔ اُصولِ حدیث کی بحث کے بعد عرض ہے کہ قربانی کے دنوں کے بارے میں صحابۂ کرام کے آثار درج ذیل ہیں:

۱: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں) اس کی سند صحیح ہے۔

۲: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں) اس کی سند حسن ہے۔

۳: انس بن مالک رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں) [احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۶ ح ۱۵۷۶] اس کی سند صحیح ہے۔

۴: علی رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں) اس کی سند حسن ہے۔

صحابہ میں سے کسی ایک صحابی سے بھی قربانی کے چار دن ثابت نہیں اور ابن قدامہ نے لکھا

ہے: "ولا مخالف لهم إلا رواية عن علي" اور علی سے ایک روایت کے علاوہ ان کا کوئی مخالف (صحابہ میں سے) نہیں ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۵۹)

عرض ہے کہ مخالفت والی روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صحیح یا حسن سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ صرف صحابی صغیر سیدنا ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے آخر ذوالحجہ یعنی یکم محرم سے پہلے تک قربانی کی روایت ثابت ہے۔ [دیکھئے یہی کتاب حاشیہ ص ۱۹]

تابعین کے آثار درج ذیل ہیں:

۱: حسن بصری رحمہ اللہ (چار دن ہیں) اس کی سند صحیح ہے۔

۲: عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ (چار دن ہیں) اس کی سند حسن ہے۔

۳: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (چار دن ہیں) اس کی سند حسن ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے امین اوکاڑوی پارٹی کی طرح یہ چالاکی کی ہے کہ سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ کے اثر اور سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایتوں کو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے ٹکرا دیا ہے، حالانکہ حسن بصری رحمہ اللہ کے قول و فعل کو صحابۂ کرام کے آثار سے ٹکرانا اور مقابلہ کرا دینا اُصولاً غلط ہے۔ کہاں صحابہ اور کہاں تابعین؟!

رہی سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت تو عام اہلِ حدیث علماء کا اس کے مطابق نہ فتویٰ ہے اور نہ عمل ہے، ورنہ پھر (ابن حزم کی طرح) آخری ذوالحجہ تک قربانی کے جواز کا فتویٰ دیں اور چار دن کی تخصیص سے دست بردار ہو جائیں۔

یاد رہے کہ یہاں صحیح اور حسن کا مقابلہ ہی نہیں بلکہ آثار صحابہ (صحیح عن ابن عمر و صحیح عن انس رضی اللہ عنہما) اور آثارِ تابعین کے درمیان مقابلہ ہے۔ ہمارے نزدیک آثارِ صحابہ کو آثارِ تابعین پر ترجیح حاصل ہے۔

ش ش (۷): "موصوف سے سوال ہے کہ قواعد حدیث کے مطابق صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرجوح ہوتی ہے؟ تو آپ نے صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند کو کس اصول کے تحت راجح قرار دیا ہے؟...... کیا آپ قواعد حدیث کے انکاری ہیں؟" (ص ۲۲)

الجواب: ہم قواعدِ حدیث کے انکاری نہیں، لیکن آپ کو سمجھنا چاہئے کہ آپ کا مذکورہ قاعدہ قواعدِ حدیث یعنی اصولِ حدیث میں ہمیں سرے سے نہیں ملا، لہٰذا اپنے خودساختہ اور من گھڑت قاعدے کا ثبوت پیش کردیں۔

ہم نے صحیح کے مقابلے میں حسن کو نہیں بلکہ آثارِ تابعین کے مقابلے میں آثارِ صحابہ اور خصوصاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ (خلیفہ راشد) کے قول کو ترجیح دی ہے اور وسنۃ الخلفاء الراشدین کی اتباع کا بھی یہی تقاضا ہے۔

ش ش (۸): ''لیکن موصوف نے یہ بات تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے لکھی ہے۔''

(ص۲۲)

الجواب: راقم الحروف نے لکھا تھا: ''امام شافعی اور عام اہل حدیث علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں۔'' (الحدیث:۴۴ ص ۱۱، یہ حوالہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔)

اور ان کے برعکس جمہور صحابہ سے تین دن والا قول ثابت ہے، لہٰذا ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ چار دن والا مسلک اہلِ حدیث کا متفق علیہ مسلک ہے۔

ش ش (۹): ڈاکٹر صاحب نے بغیر کسی صحیح سند کے لکھا ہے: ''ایام قربانی عیدالاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن ہیں: اس کے قائل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور......'' (ص۲۲)

الجواب: ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بے سند ہونے کی وجہ سے خلافِ واقعہ اور غلط ہے۔ اگر ان میں ہمت ہے تو قواعد حدیث کو مدِ نظر رکھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اپنا مذکورہ حوالہ باسند صحیح یا باسند حسن ثابت کردیں اور اگر وہ اس میں کامیاب ہوگئے تو ہم انھیں اختصار علوم الحدیث (مترجم اردو) کے دس نسخے بطورِ تحفہ دیں گے اور اگر ناکام رہے تو پھر غلط بیانی سے اجتناب کریں۔

انھوں نے نیل الاوطار سے کچھ بے سند اقوال نقل کئے ہیں، جن کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

میری طرف سے ش ش اور ان کے ساتھیوں سے مطالبہ ہے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا کسی

ایک صحابی سے صحیح و حسن سند کے ساتھ قربانی کے چار دنوں والا قول ثابت کر دیں اور اگر نہ کر سکیں تو جمہور صحابہ کو ترجیح دینے والوں کے خلاف پروپیگنڈا نہ کریں۔

آخر میں عرض ہے کہ درج ذیل علمائے اہلِ حدیث سے ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں:

۱: سیدنا علی رضی اللہ عنہ

۲: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

۳: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

۴: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

۵: امام مالک رحمہ اللہ (دیکھئے الموطأ تحقیق الہلالی ۳/۹۹ روایۃ ابن زیاد)

۶: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

(مسائل احمد و اسحاق، روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج ۲/۳۶۷ فقرہ: ۲۸۳۶)

۷: امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (ایضاً ص ۳۶۷)

نیز عرض ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (یعنی پہلے) دن ہے۔

(احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۵ ح ۱۵۷۱، وسندہ حسن لذاتہ)

قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ ایامِ قربانی کے بارے میں راقم الحروف کے دو مضمون درج ذیل ہیں:

۱: قربانی کے تین دن ہیں (ایک سوال کا جواب، دیکھئے الحدیث: ۴۴ اور توضیح الاحکام ۲/۱۷۵۔۱۸۱)

۲: قربانی کے چار یا تین دن؟ (مقالات ج ۳ ص ۲۶۱۔۲۶۳)

ان مضامین کا مطالعہ کریں تو حافظ الیاس اثری صاحب اور ڈاکٹر محمد شریف شاکر صاحب وغیرہما کے شبہات و اعتراضات کا کمزور اور بے بنیاد ہونا خود بخود واضح ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ (۱۶/ نومبر ۲۰۱۰ء) [مقالات ۴/۳۴۰]

اوجھڑی حلال ہے [1]

سوال اوجھری بالعموم اور قربانی کے جانور کی اوجھری بالخصوص حلال ہے یا حرام؟ وضاحت مطلوب ہے۔ (ارشاد اللہ امان، شیخوپورہ شہر)

الجواب حلال جانور مثلاً گائے، بھینس، اونٹ، بکری اور بھیڑ وغیرہ کو شرائطِ شرعیہ کے ساتھ ذبح کیا جائے تو اُس کی اوجھڑی حلال ہے، چاہے قربانی ہو یا عام ذبیحہ ہو اور اسے حرام کہنا غلط ہے۔

قربانی کے جانوروں کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾ پھر جب وہ پشت لگا دیں (یعنی ذبح ہو جائیں) تو اُن میں سے کھاؤ، اور امیر و غریب کو کھلاؤ۔ (الحج:۳۶)

اس آیت کے عموم سے ثابت ہے کہ ذبح شدہ جانور کا گوشت، اوجھڑی، کلیجی اور دل وغیرہ حلال ہیں اور یہاں بطور فائدہ عرض ہے کہ جس چیز کی حُرمت قرآن، حدیث اور اجماع یا آثارِ سلف صالحین سے ثابت ہے تو وہ چیز اس آیت کے عموم سے خارج ہے۔ مثلاً:

۱: وہ چیز جسے عام اہلِ ایمان کی طبیعتیں خبیث اور گندی سمجھیں تو آیت:

﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ اور آپ (ﷺ) ان لوگوں پر خبیث چیزیں حرام قرار دیتے ہیں۔ (الاعراف:۱۵۷) کی رو سے مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہیں۔

اوجھڑی کا خبیث ہونا نہ تو آثارِ سلف صالحین سے ثابت ہے اور نہ عام اہلِ ایمان اس کو گندا یا مکروہ و ناپسندیدہ سمجھتے تھے۔

۲: وہ چیز جو چوری یا غصب کر کے حاصل کر لی جائے۔ مثلاً کسی شخص کی بکری چوری کر کے ذبح کیا جائے تو مسلمانوں کے لئے اس کا گوشت حلال نہیں ہے، اِلا یہ کہ اصل مالک اجازت دے دے۔ [2]

---

[1] اس مسئلہ کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے یہی کتاب (ص ۸۵) [معاذ]

[2] مزید تفصیل کے لیے دیکھئے ماہنامہ اشاعۃ الحدیث حضرو (شمارہ ۱۸ صفحہ ۹) [معاذ]

۳: وہ حلال جانور جس کی خوراک ہی گندگی نجاست ہو (یعنی جلالہ جانور) اُس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ (۱)

۴: زندہ جانور کا کٹا ہوا گوشت حرام ہے۔ (۲) وغیرہ

اب موضوع کی مناسبت سے چند فوائد پیشِ خدمت ہیں:

ا: مفسر قرآن امام مجاہد تابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے: ''أن النبی ﷺ کرہ من الشاۃ سبعًا :المثانۃ والمرارۃ والغدّۃ والذکر والحیاء والأنثیین .''

بے شک نبی ﷺ بکری کی سات چیزوں کو مکروہ سمجھتے تھے: مثانہ، پِتّا، غدّہ (گوشت کی گرہ جو کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے ابھر آتی ہے) آلۂ تناسل، کھر اور سم والے جانوروں کی فرج (شرمگاہ) اور دونوں خصیے۔ (کتاب المراسیل لابی داود: ۴۶۰، مصنف عبدالرزاق ۵۳۵/۴ ح ۸۷۷۱، دوسرا نسخہ: ۸۸۰۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ۷/۱۰)

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

اول: واصل بن ابی جمیل جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ مثلاً امام دارقطنی نے فرمایا: ''وواصل هذا ضعیف'' اور یہ واصل ضعیف ہے۔ (سنن دارقطنی ۷۷/۳ ح ۳۰۵۹)

دوم: روایت مرسل (یعنی منقطع) ہے اور مرسل جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے۔ روایتِ مذکورہ کو عمر بن موسیٰ بن وجیہ نے واصل بن ابی جمیل عن مجاہد عن ابن عباس کی سند سے مرفوعاً بیان کیا ہے لیکن عمر بن موسیٰ بن وجیہ کذاب منکر الحدیث راوی تھا۔

(دیکھئے لسان المیزان ۳۳۲/۴ ـ ۳۳۳، دوسرا نسخہ ۲۴۱/۵)

لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔

المعجم الاوسط للطبرانی میں اس روایت کا ایک شاہد بھی ہے۔

(۲۱۷/۱۰ ح ۹۴۷۶، مجمع الزوائد ۳۶/۵)

---

(۱) دیکھئے مشکوۃ المصابیح (۶۰۶/۲ ح ۴۱۲۶، قال ابی رحمہ اللہ: حسن) [معاذ]

(۲) دیکھئے سنن الترمذی (۱۴۸۰، قال ابی رحمہ اللہ: سندہ حسن) مشکوۃ المصابیح (۴۰۹۵) [معاذ]

اس کی سند میں یحییٰ الحمانی چور تھا۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۷۵۹۱)

اس کے استاد عبدالرحمٰن بن ابی سلمہ سے مراد عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ہے اور اس کی روایات اس کے باپ سے موضوع ہوتی ہیں اور یہ روایت بھی اس کے باپ سے ہے، لہٰذا موضوع ہے۔

علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی (متوفی ۵۸۷ھ) نے بغیر کسی سند کے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا کہ خون حرام ہے اور میں چھ چیزوں کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ (بدائع الصنائع ۶۱/۵)

یہ روایت قابلِ اعتماد صحیح و حسن سند نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے اور چھ چیزوں سے مراد ضعیف حدیث میں بیان شدہ خون کے علاوہ چھ چیزیں ہیں، جس کی تحقیق تھوڑا پہلے گزر چکی ہے۔

خلاصہ التحقیق: شرائطِ شرعیہ کے ساتھ ذبح شدہ حلال جانور کی اوجھڑی حلال ہے، بشرطیکہ اسے خوب دھو دھو کر، خوب صفائی کر کے پکایا جائے اور کسی قسم کی نجاست کا کوئی اثر باقی نہ رہا ہو۔ (۲۹/ دسمبر ۲۰۱۰ء) [فتاویٰ علمیہ ۲۷۹/۳]



قربانی کا گوشت اور غیر مسلم؟

سوال قربانی کا گوشت غیر مسلم لوگوں کو دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ (ارشاد اللہ امان)

الجواب قربانی کے گوشت کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ﴾

پس اس سے کھاؤ اور فاقہ کش فقیر کو کھلاؤ۔ (الحج: ۲۸)

اور فرمایا: ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ﴾

پس اس میں سے کھاؤ اور امیر و غریب کو کھلاؤ۔ (الحج: ۳۶)

ان آیات سے ثابت ہوا کہ قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنا، خود کھانا، امیروں مثلاً

رشتہ داروں اور دوستوں کو کھلانا اور غریبوں کو کھلانا بالکل صحیح ہے اور چونکہ قربانی تقربِ الٰہی وعبادت ہے، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ قربانی کا گوشت صرف مسلمانوں کو کھلایا جائے۔

اگر تالیفِ قلب کا معاملہ ہو تو پھر سورۃ التوبہ کی آیت نمبر ۶۰ کی رُو سے اُن کافروں کو یہ گوشت کھلانا جائز ہے جو اسلام کے معاند دشمن نہیں بلکہ نرمی والا سلوک رکھتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک بکری ذبح کی گئی، پھر وہ جب آئے تو کہا: کیا تم نے (اس میں سے) ہمارے یہودی پڑوسی کو بھی بھیجا ہے؟ آپ نے یہ بات دو دفعہ فرمائی اور کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((ما زال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت أنه سیورّثه .))

جبریل مجھے مسلسل پڑوسی کے بارے میں کہتے رہے، حتیٰ کہ میں نے سمجھا کہ وہ اسے وارث بنا دیں گے۔ (سنن ترمذی: ۱۹۴۳، مسند حمیدی: ۵۹۳، وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ تالیفِ قلب اور پڑوسی وغیرہ ہونے کی وجہ سے غیر مسلم کو بھی قربانی کا گوشت دیا جا سکتا ہے۔ (۲۹/ دسمبر ۲۰۱۰ء) [فتاویٰ علمیہ ۲۸۱/۳]



پہلے دن قربانی کرنا افضل ہے

سوال پہلے دن قربانی کرنا زیادہ ثواب اور افضل ہے یا تینوں دن ثواب ایک جیسا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ (ظفر اقبال، شکر گڑھ)

الجواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن فرمایا: آج ہم پہلے نماز پڑھیں گے، پھر قربانیاں کریں گے۔

(صحیح بخاری کتاب العیدین باب سنۃ العیدین لاھل الاسلام ح ۹۵۱، صحیح مسلم الاضاحی باب ۱ ح ۱۹۶۱)

اس حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول دن قربانی کی ہے لہٰذا افضل اور بہتر یہی ہے کہ عید الاضحیٰ والے تین دنوں میں سے پہلے دن، یعنی دسویں تاریخ کو قربانی کی

جائے اور باقی دو دنوں میں قربانی کرنا جائز و باعثِ اجر ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (پہلے) دن ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۵ ح ۱۵۷۱، وسندہ حسن)

(شہادت، اگست ۲۰۰۰ء) [فتاویٰ علمیہ ۲/۱۷۵]



بھینس کی قربانی کا حکم

سوال کیا بھینس کی قربانی جائز ہے؟ (ایک سائل)

الجواب اونٹ، گائے، بھیڑ اور بکری کی قربانی کتاب و سنت سے ثابت ہے اور یہ بات بالکل صحیح ہے کہ بھینس گائے کی ایک قسم ہے، اس پر ائمہ اسلام کا اجماع ہے۔

امام ابن المنذر (متوفی ۳۱۸ھ) فرماتے ہیں:

" وأجمعوا علی أن حکم الجوامیس حکم البقر"

اور اس بات پر اجماع ہے کہ بھینسوں کا وہی حکم ہے جو گائیوں کا ہے۔

(الاجماع، کتاب الزکاۃ ص ۴۳ حوالہ: ۹۱)

ابن قدامہ (متوفی ۶۲۰ھ) لکھتے ہیں: "**لا خلاف في هذا نعلمه**" اس مسئلہ میں، ہمارے علم کے مطابق کوئی اختلاف نہیں۔ (المغنی ج ۲ ص ۲۴۰ مسئلہ: ۱۷۱۱)

زکوٰۃ کے سلسلے میں، اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ بھینس گائے کی جنس میں سے ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بھینس گائے ہی کی ایک قسم ہے، تاہم چونکہ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین سے صراحتاً بھینس کی قربانی کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ بھینس کی قربانی نہ کی جائے بلکہ صرف اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ اور بکری کی ہی قربانی کی جائے اور اسی میں احتیاط ہے۔ واللہ اعلم (شہادت، مارچ ۲۰۰۱ء) [فتاویٰ علمیہ ۲/۲۸۱]



میت کی طرف سے قربانی

سوال کیا فوت شدگان کی طرف سے قربانی جائز ہے؟ (ایک سائل)

الجواب سنن ابی داود (کتاب الضحایا باب الاضحیۃ عن المیت ح ۲۷۹۰) اور جامع ترمذی (ابواب الاضاحی باب ماجاء فی الاضحیۃ عن المیت ح ۱۴۹۵) میں شریک بن عبداللہ القاضی عن ابی الحسناء عن الحکم عن حنش کی سند سے مروی ہے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ دو مینڈوں کی قربانی کرتے تھے۔ میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کروں، اس لئے میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔ [انتھی]

اس کی سند ضعیف ہے۔ شریک القاضی مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

ابوالحسناء مجہول راوی ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۸۰۵۳، اور آثار السنن ص ۳۹۹ تحت ح ۷۸۴)

حاکم اور ذہبی دونوں کو وہم ہوا ہے۔ انھوں نے اسے الحسن بن الحکم سمجھ کر حدیث کو صحیح کہہ دیا ہے جبکہ ابن الحکم دوسرے راوی تھے اور ابوالحسناء مذکور دوسرا راوی ہے۔

حکم بن عتیبہ بھی مدلس تھے اور (بشرطِ صحت) عن سے روایت کر رہے ہیں۔ امام ترمذی نے اس روایت کو "غریب" لکھا ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ حدیثِ مذکور ضعیف ہے تو معلوم ہوا کہ فوت شدگان کی طرف سے قربانی کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص ضرور بالضرور قربانی کرنا ہی چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے صدقہ قرار دے کر سارا گوشت مساکین وفقراء میں تقسیم کر دے کیونکہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے جس کے بے شمار دلائل ہیں۔ واللہ اعلم

(شہادت، مارچ ۲۰۰۱ء) [فتاویٰ علمیہ ۱/ ۶۵۸]



میت کی طرف سے قربانی کا حکم

سوال کیا قربانی والدین یا فوت شدگان بزرگوں کی طرف سے کی جاسکتی ہے جیسے مشہور ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک قربانی اپنی طرف سے اور ایک اپنی اُمت کی طرف سے کرتے تھے؟ (ظفر عالم، لاہور)

الجواب اس سلسلے میں راقم الحروف کی تحقیق ماہنامہ شہادت میں چھپ چکی ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کے جواز والی حدیث ضعیف ہے تاہم صدقہ کے عمومی دلائل کی رو سے میت کی طرف سے قربانی جائز ہے۔ایسی قربانی کا سارا گوشت صدقہ کردیا جائے گا۔

شیخ الاسلام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أحب إلي أن يتصدق عنه ولايضحى عنه وإن ضحى فلا يأكل منها شيئاً ويتصدق بها كلها“

میرے نزدیک پسندیدہ یہ ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کیا جائے اور قربانی نہ کی جائے تاہم اگر کوئی قربانی کرے تو اس میں سے کچھ بھی نہ کھائے بلکہ سارے حصے اور گوشت کو صدقہ کردے۔“ (سنن ترمذی ابواب الاضاحی باب ماجاء فی الاضحیۃ عن المیت ح ۱۴۹۵) [1]

[شہادت، اگست ۲۰۰۱ء]

---

[1] امام ترمذی نے عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ کے جو اقوال سنن ترمذی میں نقل کئے ہیں، ان کی صحیح سندیں اپنی کتاب العلل (الصغیر) میں ذکر کردی ہیں۔ (دیکھئے ص ا، دوسرا نسخہ: ص ۸۸۹، مطبوعہ دارالسلام مع سنن الترمذی)

[ماہنامہ الحدیث حضرو: ۸۵/۱۱]

قربانی میں حصے داران کے لئے عقیدے کی شرط

سوال کیا گائے یا اونٹ کی قربانی میں حصہ دار سب کے سب عقیدہ کی بنیاد پر اہلِ توحید ہونے ضروری ہیں یا دوسرے فرقوں (بریلوی، دیوبندی) کے ساتھ مل کر قربانی کی جاسکتی ہے؟ (ظفر عالم، لاہور)

الجواب اگر ذبح کرنے والا، صحیح العقیدہ مسلم ہے تو گائے کے سات حصوں میں سے جس حصے کا مالک صحیح العقیدہ ہے تو وہ حصہ صحیح اور مقبول ہے اور اگر ان حصہ داروں میں سے کوئی بدعقیدہ مثلاً دیوبندی یا بریلوی بھی شریک ہوگیا ہے تو باقی حصہ داروں کی قربانی تو ہو جائے گی تاہم افضل یہی ہے کہ تمام حصے داران صحیح العقیدہ مسلمانوں میں سے ہی تلاش کئے جائیں۔ آیت: ﴿كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ﴾ کے عموم کا یہی مفہوم ہے کہ صحیح العقیدہ کی قربانی مقبول اور بدعقیدہ کی مردود ہے۔

فقہ حنفی کا ایک جزئیہ ہے کہ اگر سات حصے داروں میں سے ایک بھی نصرانی یا ایسا شخص ہو جس کا مقصد صرف گوشت خوری ہو، شریک ہو جائے تو تمام حصے داروں کی قربانی نہیں ہوتی۔ دیکھئے الہدایہ (ج ۲ ص ۴۴۹)

جب کہ شوافع اس جزئیہ کے خلاف ہیں۔ دیکھئے الفقہ الاسلامی وادلتہ (ج ۳ ص ۶۰۵)

حنفیہ کا یہ موقف بلا دلیل ہے۔

(شہادت، اگست ۲۰۰۱ء) [فتاویٰ علمیہ ۲/۱۸۳]



قربانی کا جانور خریدنے کے بعد نقص/ اجماع اور اجتہاد

سوال اگر کوئی شخص قربانی کے لئے جانور خریدے، جانور خریدنے کے بعد اُس کے اندر عیب پیدا ہو جائے مثلاً اس کی ٹانگ ٹوٹ جائے یا کانا ہو جائے تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے جانور نیا خریدنا چاہئے یا وہی جانور قربان کر دیا جائے۔ قرآن و حدیث، آثارِ صحابہ اور اجماع اُمت کی روشنی میں جواب ارشاد فرمائیں اور یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ کیا اہلحدیث اجماع اُمت اور اجتہاد شرعی کے قائل ہیں۔ اجماع و اجتہاد کا حجت ہونا کس دلیل سے ثابت ہے؟ جواب مفصل تحریر فرمائیں۔ (خرم ارشاد محمدی گجرات)

الجواب یہ بات بالکل صحیح ہے کہ کانے یا لنگڑے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((أربع لا تجوز في الأضاحي: العوراء بين عورها، والمريضة بين مرضها والعرجاء بين عرجها والكسير التي لا تنقى.)) چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے: واضح طور پر کانا، واضح طور پر بیمار، صاف طور پر لنگڑا اور اتنا کمزور جانور کہ اس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔

(سنن ابی داود: ۲۸۰۲ وسندہ صحیح، وصححہ الترمذی: ۱۴۹۷ وابن خزیمہ: ۲۹۱۲ وابن حبان: ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، وابن الجارود: ۹۰۷، ۴۸۱ والحاکم ۱/ ۴۶۷، ۴۶۸ ووافقہ الذہبی)

یہ اس حالت میں ہے جب قربانی کے لئے جانور خریدا جائے۔

اگر ان عیوب سے صاف ستھرا جانور برائے قربانی خریدا گیا ہو اور بعد میں اس میں کوئی عیب پیدا ہو جائے تو اس کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”إن كان أصابها بعد ما اشتريتموها فأمضوها و إن كان أصابها قبل أن تشتروها فأبدلوها“

اگر یہ نقص و عیب تمہارے خریدنے کے بعد واقع ہوا ہے تو اس کی قربانی کر لو اور اگر یہ نقص و

عیب تمھارے خریدنے سے پہلے واقع ہوا تھا تو اس جانور کو بدل لو یعنی دوسرے جانور کی قربانی کرو۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج۹ ص۲۸۹ وسندہ صحیح)

اہلِ سنت کے مشہور ثقہ امام اور جلیل القدر تابعی امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إذا اشترى الرجل أضحية فمرضت عنده أو عرض لها مرض فهي جائزة"

اگر کوئی شخص قربانی کا جانور خریدے پھر وہ اس کے پاس بیمار ہو جائے تو اس جانور کی قربانی جائز ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ۳۸۶/۴ ح ۸۱۶۱ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۸۱۹۲)

خلاصہ یہ کہ صورتِ مسئولہ میں قربانی والے جانور کی قربانی جائز ہے۔

الحمد للہ اہلِ حدیث اجماعِ امت کے حجت ہونے اور اجتہاد شرعی کے جائز ہونے کے قائل ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لا يجمع الله أمتي على ضلالة أبدًا ويدالله على الجماعة)) اللہ میری اُمت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت (یعنی اجماع) پر ہے۔ (المستدرک للحاکم ج۱ ص۱۱۶ ح۳۹۹ وسندہ صحیح)

اس حدیث سے حاکم نیشاپوری نے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح رحمہ اللہ کی طرف لکھ کر بھیجا تھا: اگر کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بھی نہ ملے تو دیکھنا کہ کس بات پر لوگوں کا اجماع ہے پھر اسے لے لینا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۷ ص۲۴۰ ح ۲۲۹۸۰ وسندہ صحیح، المختارۃ للضیاء المقدسی ۲۳۸/۱ ح ۱۴۴، سنن الدارمی: ۱۶۹، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۴۷ ص ۴۸)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ما رأى المسلمون حسنًا فهو عندالله حسن وما رآه المسلمون سيئًا فهو عندالله سيئ ...." تمام مسلمان جسے اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جسے تمام مسلمان بُرا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی بُرا ہے۔ (المستدرک للحاکم ۷۸/۳ ح ۴۴۶۵ وسندہ حسن وصححہ الحاکم ووافقہ الذہبی)

سیدنا ابو مسعود عقبہ بن عمرو الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "أوصيك بتقوى الله ولزوم الجماعة فإن الله لم يكن ليجمع أمة محمد صلى الله عليه وسلم على ضلالة" میں تجھے اللہ

کے تقویٰ اور جماعت (اجماع) کے لازم پکڑنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کی امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ (الفقیہ والمتفقہ للخطیب ۱/۱۶۷، وسندہ صحیح)

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب الرسالہ میں حجیتِ اجماع پر دلائل ذکر کئے ہیں۔ دیکھئے ص ۴۷۱۔۴۷۶ فقرہ: ۱۳۰۹ تا ۱۳۲۰

حافظ ابن حزم اندلسی اپنے غرائب وشذوذ کے باوجود اعلان فرماتے ہیں:

"أن الإجماع من علماء أهل الإسلام حجة و حق مقطوع به في دين الله عزو جل" علمائے اہلِ اسلام کا اجماع حجت اور اللہ کے دین میں قطعی حق ہے۔

(الاحکام فی اصول الاحکام جلد اول حصہ چہارم ص ۵۲۵)

امام بخاری رحمہ اللہ کے مشہور ثقہ استاذ امام ابوعبید القاسم بن سلام فرماتے ہیں:

"إلا أن يوجد علمه في كتاب أو سنة أو إجماع"

سوائے یہ کہ اس کا علم کتاب (قرآن) یا سنت (حدیث) یا اجماع میں پایا جائے۔

(کتاب الطہور للامام ابی عبید ص ۱۴۴، قبل ح ۳۳۵)

اس طرح کے بے شمار حوالے کتبِ حدیث وغیرہ میں مذکور ہیں۔ برصغیر کے اہلِ حدیث علماء بھی اجماع کو حجت تسلیم کرتے ہیں مثلاً سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد حافظ عبداللہ غازیپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ ہمارے مذہب کا اصل الاصول صرف اتباع کتاب وسنت ہے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل حدیث کو اجماع امت وقیاس شرعی سے انکار ہے۔ کیونکہ جب یہ دونوں کتاب وسنت سے ثابت ہیں تو کتاب وسنت کے ماننے میں ان کا ماننا آ گیا"۔

(ابراء اہل الحدیث والقرآن باب: اہل حدیث کے اصول وعقائد ص ۳۲)

معلوم ہوا کہ اہلِ حدیث کے نزدیک ہر دور میں اُمتِ مسلمہ کا اجماع شرعی حجت ہے۔

اجتہاد کا جواز کئی احادیث سے ثابت ہے مثلاً نبی کریم ﷺ نے صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو حکم دیا۔ ((لا يصلين أحد العصر إلا في بني قريظة))

بنو قریظہ کے پاس پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز کوئی نہ پڑھے۔

صحابہ کی ایک جماعت نے (اجتہاد کرتے ہوئے) راستے میں نماز پڑھ لی اور دوسرے گروہ نے بنو قریظہ جا کر ہی نماز پڑھی تو نبی کریم ﷺ نے کسی کو بھی بُرا نہیں کہا۔

(صحیح بخاری: ۹۴۶، صحیح مسلم: ۱۷۷۰)

معلوم ہوا کہ نص (واضح دلیل: قرآن، حدیث اور اجماع) نہ ہونے یا نص کے فہم میں اختلاف ہونے کی صورت میں اجتہاد جائز ہے لیکن یہ اجتہاد عارضی اور وقتی ہوتا ہے، اسے دائمی قانون کی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔

اجتہاد کی کئی اقسام ہیں مثلاً:

① آثارِ سلف صالحین کو ترجیح دینا

② اولیٰ کو اختیار کرنا

③ قیاس کرنا (نص کے مقابلے میں ہر قیاس مردود ہے۔)

④ مصالح مرسلہ کا خیال رکھنا وغیرہ

بعض اہلِ تقلید دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ادلۂ اربعہ چار ہیں یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور اجتہاد لیکن یہ لوگ صرف اپنے خود ساختہ اور مزعوم امام کا اجتہاد ہی حجت سمجھتے ہیں اور اس کے علاوہ دوسرے تمام اماموں کے اجتہادات کو دیوار پر دے مارتے ہیں۔ مثلاً مدرسۂ دیوبند کے بانی محمد قاسم نانوتوی صاحب نے ایک اہلِ حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ سے کہا: ''دوسرے یہ کہ میں مقلد امام ابوحنیفہ کا ہوں، اس لئے میرے مقابلہ میں آپ جو قول بھی بطور معارضہ پیش کریں وہ امام ہی کا ہونا چاہئے۔ یہ بات مجھ پر حجت نہ ہوگی کہ شامی نے یہ لکھا ہے اور صاحب درمختار نے یہ فرمایا ہے، میں ان کا مقلد نہیں۔'' (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۲۲)

محمود حسن دیوبندی صاحب لکھتے ہیں: ''لیکن سوائے امام اور کسیکے قول سے ہم پر حجت قائم کرنا بعید از عقل ہے....'' (ایضاح الادلہ ص ۲۷۶ سطر نمبر ۱۹، ۲۰)

احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

’’کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قولِ امام ہے۔‘‘

(جاء الحق حصہ دوم ص ۹)

نعیمی صاحب مزید لکھتے ہیں: ’’اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ہم یہ آیت واحادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں۔ احادیث یا آیات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں۔‘‘ (جاء الحق حصہ دوم ص ۹۱)

اہلِ حدیث کے نزدیک اس طرح کی تنگ نظری اور تقلید باطل ہے بلکہ مسائل اجتہادیہ میں جمہور سلف صالحین کو ترجیح دیتے ہوئے اجتہاد جائز ہے اور جو شخص اجتہاد نہیں کرتا وہ بھی قابلِ ملامت نہیں ہے لیکن ہم تو واضح دلیل نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد اور اس کے جواز کے قائل ہیں[1]۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۹/ جون ۲۰۰۸ء) [فتاویٰ علمیہ ۱/۶۵۳]



[1] اسی مسئلہ کی مزید توضیح کے لیے دیکھئے یہی کتاب (ص ۱۰۲۔۱۰۳) [معاذ]

نمازِ عید سے پہلے قربانی جائز نہیں

عَنْ أَبِي بُرْدَةَ ابْنِ نِيَارٍ أَنَّهُ ذَبَحَ أُضْحِيَّتَهُ قَبْلَ أَنْ يَذْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ الْأَضْحٰى فَزَعَمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَهُ أَنْ يَعُوْدَ بِضَحِيَّةٍ أُخْرٰى، فَقَالَ أَبُوْ بُرْدَةَ: لَا أَجِدُ إِلَّا جَذَعًا فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :

((إِنْ لَمْ تَجِدْ إِلَّا جَذَعًا فَاذْبَحْهُ .))

سیدنا ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عید الاضحیٰ کے دن اپنی قربانی کو رسول اللہ ﷺ کی قربانی (یعنی نمازِ عید) سے پہلے ذبح کر دیا تو کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ دوبارہ قربانی کرو۔ ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے پاس صرف ایک جذع (بکری کا ایک سالہ بچہ) ہے تو انھیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تمھارے پاس جذع کے سوا کچھ بھی نہیں ہے تو اسے ہی ذبح کر دو۔

تحقیق سندہ صحیح

تخریج

الموطأ (روایۃ یحییٰ ۲/۴۸۳ ح ۱۰۶۳، ک ۲۳ ب ۳ ح ۴) التمہید ۲۳/۱۸۰، الاستذکار: ۹۹۷

☆ وأخرجہ الدارمی (۱۹۶۹) من حدیث مالک بہ ولہ شواہد عند البخاری (۹۵۵) ومسلم (۱۹۶۱) وغیرہما.

تفقہ

① نمازِ عید سے پہلے قربانی کرنا جائز نہیں ہے۔

② بکری کے اس بچے کو جذعہ کہتے ہیں جو آٹھ یا نو ماہ کا ہو گیا ہو۔ القاموس الوحید (ص ۲۴۳)
نہ ملنے کی صورت میں بھیڑ کے جذعے کی قربانی جائز ہے۔

③ عبادات اور اُمورِ تقرب الی اللہ کی قبولیت میں شرعی حدود کی موافقت ضروری ہے۔

④ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قربانی کے دن کے علاوہ دو دن قربانی ہوتی ہے۔

(الموطأ ۲/۴۸۷ ح ۱۰۷۱، وسندہ صحیح)

⑤ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قربانی سنت ہے، واجب نہیں اور میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی آدمی مال ودولت ہونے کے باوجود اسے ترک کرے۔ (الموطأ ۴۸۷/۲ بعد ح ۱۰۷۳)

[موطأ روایۃ ابن القاسم ص ۵۷۸]



قربانی والے جانور پر سواری کی جاسکتی ہے

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً فَقَالَ ((ارْكَبْهَا)) فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِنَّهَا بَدَنَةٌ فَقَالَ :((ارْكَبْهَا)) فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِنَّهَا بَدَنَةٌ فَقَالَ :((وَيْلَكَ)) فِي الثَّانِيَةِ أَوِ الثَّالِثَةِ .

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی دیکھا جو قربانی کا جانور لے کر (پیدل) جا رہا تھا تو آپ نے فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! یہ قربانی کا جانور ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اس پر سوار ہو جاؤ۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! یہ قربانی کا جانور ہے تو آپ نے دوسری یا تیسری دفعہ فرمایا: تمھاری خرابی ہو (اس پر سوار ہو جاؤ۔)

تحقیق سندہ صحیح

تخریج متفق علیہ

الموطأ (روایۃ یحییٰ ۳۷۷/۱ ح ۸۵۹، ک ۲۰ ب ۴۵ ح ۱۳۹) التمہید ۲۹۶/۱۸، الاستذکار: ۸۰۷

☆ وأخرجہ البخاری (۱۶۸۹) ومسلم (۱۳۲۲) من حدیث مالک بہ .

تفقہ

① رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے۔

② حدیث حجت ہے۔

③ قربانی والے جانور پر بوقتِ ضرورت سواری جائز ہے۔

④ نبی ﷺ کی حدیث کی مخالفت میں خرابی ہی خرابی ہے۔

⑤ حج کے لئے پیدل اور سوار ہو کر دونوں طرح جانا جائز ہے۔

⑥ اپنے آپ کو شرعی عذر کے بغیر مشقت میں ڈالنا جائز نہیں ہے۔

[موطأ روایۃ ابن القاسم ص ۴۲۶]



قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کریں

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَحَرَ بَعْضَ هَدْيِهِ بِيَدِهِ وَنَحَرَ غَيْرُهُ بَعْضَهُ.

سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قربانی کے جانوروں میں سے بعض خود اپنے ہاتھ سے ذبح کئے اور آپ کے بعض جانور دوسروں نے ذبح کئے۔

تحقیق سنده صحيح

تخریج

الموطأ (روایۃ ابی مصعب الزہری ۵۳۴/۱ ح ۱۳۸۱)

☆ وأخرجه النسائي (۲۳۱/۷ ح ۴۴۲۴) من حدیث مالک بہ وجاء فی روایۃ یحیٰی بن یحیٰی (۳۹۴/۱ ح ۹۰۹) "مالك عن جعفر عن أبيه عن علي بن أبي طالب" وھو غلط، انظر التمہید (۱۰۶/۲) والاستذکار: ۸۴۹

تفقه

① بہتر اور افضل یہی ہے کہ آدمی اپنی قربانی خود ذبح کرے اور اگر کسی دوسرے سے ذبح کروائے تو یہ بھی جائز ہے۔ ② وکیل بنانا جائز ہے۔

③ اس حدیث میں "غیرہ" دوسرے سے مراد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ دوسری روایت سے ثابت ہے۔ [موطأ روایۃ ابن القاسم ص ۲۳۴]



اونٹ میں دس اور گائے کی قربانی میں سات افراد کی شرکت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّهُ قَالَ : نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ .

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا: ہم نے حدیبیہ والے سال، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ اور سات آدمیوں کی طرف سے گائے (بطورِ قربانی) ذبح کی۔

تحقیق صحیح

تخریج مسلم

الموطأ (روایۃ یحییٰ ۴۸۶/۲ ح ۱۰۶۸، ک ۲۳ ب ۵ ح ۹) التمہید ۱۴۷/۱۲، و قال :" ھٰذا حدیث صحیح عند أھل العلم " الاستذکار:۱۰۰۲

☆ وأخرجہ مسلم (۱۳۱۸/۳۵۰) من حدیث مالک بہ. وصرح ابوالزبیر بالسماع عند احمد (۳۷۸/۳ ح ۱۵۰۴۳)

تفقہ

① گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور دوسری حدیث کی رُو سے اونٹ کی قربانی میں دس افراد بھی شریک ہو سکتے ہیں۔

(دیکھئے سنن الترمذی:۱۵۰۱، وسندہ حسن، سنن النسائی:۴۳۹۷، سنن ابن ماجہ:۳۱۳۱)

② حدیبیہ والا سال ۶ ہجری ہے۔ دیکھئے التمہید (۱۴۷/۱۲)

③ اگر قربانی کے حصہ داروں میں سے ایک شخص ذمی (غیر مسلم) ہو تو علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔ راجح یہی ہے کہ ذمی کو قربانی میں شریک نہ کیا جائے۔

④ اگر قربانی کے حصہ داروں میں سے کوئی شخص بدعتی ہے جس کی بدعت بدعتِ مکفّرہ نہیں تو قربانی جائز ہے اور بہتر یہی ہے کہ ذبح کرنے والا صحیح العقیدہ ہو اور کسی بدعتی کو قربانی

میں شریک نہ کیا جائے۔

⑤ ساری قربانی ایک شخص کی طرف سے بھی ہو سکتی ہے۔

⑥ اگر گائے یا اونٹ میں مثلاً چھ آدمی شریک ہوں تو ایک آدمی کو دو حصے لینے چاہئیں اور یہ نہ کیا جائے کہ ساتویں حصے کو چھ آدمیوں پر تقسیم کر دیا جائے کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ [1]

⑦ اگر کسی عذر کی وجہ سے آدمی حرم نہ جا سکے تو اس کی طرف سے قربانی خارجِ حرم بھی جائز ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ حدودِ حرم میں یہ قربانی کی جائے۔

⑧ سارے گھر کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کافی ہے۔

دیکھئے سنن الترمذی (۱۵۰۵، وسندہ حسن وقال: "حسن صحیح")

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم سارے گھر کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتے تھے۔ (الموطأ ۴۸۶/۲ ح ۱۰۶۹، وسندہ صحیح، والسنن الکبریٰ للبیہقی ۲۶۸/۹)

اس پر قیاس کرتے ہوئے سارے گھر کی طرف سے گائے کا ایک حصہ کافی ہے۔ واللہ اعلم

⑨ حج کے علاوہ قربانی کرنا سنت ہے، واجب نہیں ہے۔

دیکھئے الموطأ (۴۸۷/۲ قال مالک: "الضحية سنة وليست بواجبة ولا أحب لأحد ممن قوى على ثمنها أن يتركها")

⑩ اس پر اجماع ہے کہ بھینس گائے کے حکم میں ہے یعنی گائے کی ہی ایک قسم ہے۔ دیکھئے کتاب الاجماع لابن المنذر (۹۱) لیکن دیگر دلائل اور احتیاط کی رُو سے بہتر یہی ہے کہ اس کی قربانی نہ کی جائے۔ واللہ اعلم [موطأ روایۃ ابن القاسم ص ۱۸۹]

---

[1] قربانی میں اصل یہ ہے کہ کم از کم ایک خاندان کی طرف سے بکری کا دوندا بچہ اور بامر مجبوری بھیڑ کا کھیرا جائز ہے۔ یہ جو گائے میں سات حصے اور اونٹ میں سات یا دس حصے ہیں، اصل میں یہ سات یا دس بھیڑوں اور بکریوں کے قائم مقام ہیں۔ بھیڑ یا بکری صرف ایک خاندان کو کفایت کرتی ہے، دو خاندانوں کو نہیں۔

نیز دیکھئے کتاب الام للامام الشافعی (۵۸۰/۳)

مگر یاد رہے کہ قربانی میں اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے عقیقہ کرنا درست نہیں ہے کیونکہ عقیقے میں باقاعدہ بھیڑ یا بکریاں ہی مشروع ہیں۔ گائے اور اونٹ سے بچنا چاہیے۔ دیکھئے یہی کتاب (ص ۸۶) [معاذ]

قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھایا جاسکتا ہے

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثٍ. ثُمَّ قَالَ بَعْدُ: ((كُلُوا وَتَصَدَّقُوا وَتَزَوَّدُوا وَادَّخِرُوا.))

سیدنا جابر بن عبداللہ السُّلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (قربانی کے) تین دن بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع کیا پھر اس کے بعد فرمایا: کھاؤ اور صدقہ کرو، زادِ راہ بناؤ اور ذخیرہ کرلو۔

تحقیق صحیح

تخریج مسلم

الموطأ (روایۃ یحییٰ ۲/۴۸۴ ح ۱۰۶۵، ک ۲۳ ب ۴ ح ۶) التمہید ۱۲/۱۶۳، الاستذکار: ۹۹۹

☆ وأخرجہ مسلم (۱۹۷۲/۲۹) من حدیث مالک بہ ورواہ عطاء بن ابی رباح عن جابر بہ نحو المعنیٰ. وابو الزبیر صرح بالسماع عند احمد (۳/۳۷۸ ح ۱۵۰۴۲)

تفقہ

① تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع والا حکم منسوخ ہے۔ نیز دیکھئے موطا (۳۰۹)

② قربانی کے گوشت کو خود استعمال کرنا اور ذخیرہ کرلینا صحیح ہے اور اسے صدقہ کر دینا یا رشتہ داروں دوستوں وغیرہم کو تحفتاً دینا اچھا کام ہے۔

③ اس حدیث کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔ اس سلسلے میں مختصر تحقیق درج ذیل ہے:

جن روایات میں آیا ہے کہ تمام ایامِ تشریق ذبح کے دن ہیں، وہ سب کی سب ضعیف و غیر ثابت ہیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قربانی والے دن کے بعد (مزید) دو دن قربانی (ہوتی) ہے۔ (موطأ امام مالک ۲/۴۸۷ ح ۱۰۷۱، وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (پہلے) دن ہے۔ (احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۵ ح ۱۵۷۱، وسندہ حسن)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قربانی والے (اول) دن کے بعد دو دن قربانی ہے۔

(احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۶ ح ۱۵۷۶، وھو صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قربانی کے تین دن ہیں۔ (احکام القرآن للطحاوی ح ۱۵۶۹، وھو حسن)

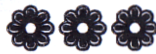
یہی موقف جمہور صحابۂ کرام و جمہور علماء کا ہے اور یہی راجح ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۴۴ ص ۶۔۱۱

④ قربانی کے گوشت کے حصے بنانا جائز ہے۔ ایک اپنے لئے، دوسرا غریبوں کے لئے اور تیسرا رشتہ داروں و دوست احباب کے لئے اور اگر حصے نہ بنائیں تو بھی جائز ہے۔

⑤ شریعتِ اسلامیہ میں ناسخ و منسوخ کا سلسلہ تربیت اور اصلاحِ معاشرہ کی غرض سے تھا لہٰذا اب منسوخ کے بجائے ثابت شدہ ناسخ پر ہی عمل کرنا چاہئے۔

[موطأ روایۃ ابن القاسم ص ۱۸۸]



عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ وَاقِدٍ أَنَّهُ قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ أَكْلِ لُحُومِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثٍ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَالَتْ: صَدَقَ، سَمِعْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ تَقُولُ: دَفَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ حَضْرَةَ الْأَضْحٰى فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((ادَّخِرُوا الثَّلَاثَ وَتَصَدَّقُوا بِمَا بَقِيَ.)) قَالَتْ: فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَقَدْ كَانَ النَّاسُ يَنْتَفِعُونَ بِضَحَايَاهُمْ وَيَجْمِلُونَ مِنْهَا الْوَدَكَ وَيَتَّخِذُونَ مِنْهَا الْأَسْقِيَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((وَمَا ذَاكَ ؟)) أَوْ كَمَا قَالَ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! نَهَيْتَ عَنْ إِمْسَاكِ لُحُومِ الضَّحَايَا بَعْدَ ثَلَاثٍ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ((إِنَّمَا نَهَيْتُكُمْ مِنْ أَجْلِ الدَّافَّةِ الَّتِي دَفَّتْ عَلَيْكُمْ فَكُلُوا

وَتَصَدَّقُوا وَادَّخِرُوا .))

عبداللہ بن واقد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے منع فرمایا، عبداللہ بن ابی بکر (راویٔ حدیث) فرماتے ہیں کہ پھر میں نے اس بات کا ذکر عمرہ بنت عبدالرحمٰن (رحمہا اللہ) سے کیا تو انھوں نے کہا: اُس (عبداللہ بن واقد) نے سچ کہا، میں نے نبی ﷺ کی بیوی عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قربانی کے وقت کچھ (خانہ بدوش) لوگ مدینہ آ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین دن (گوشت کا) ذخیرہ کرو اور باقی صدقہ کر دو۔ پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا: یا رسول اللہ! لوگ اپنی قربانیوں سے فائدہ اٹھاتے تھے، چربی پگھلاتے اور (کھالوں کی) مشکیں بناتے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے تین دنوں سے زیادہ قربانیوں کا گوشت روکے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تمھیں ان لوگوں کی وجہ سے منع کیا تھا جو تمھارے پاس (مدینہ میں) آئے تھے۔ پس (اب) کھاؤ، صدقہ کرو اور ذخیرہ کرو۔

تحقیق سندہ صحیح

تخریج مسلم

الموطأ (روایۃ یحییٰ ۲/۴۸۴، ۴۸۵ ح ۱۰۶۶، ک ۲۳ ب ۴ ح ۷) التمہید ۱۷/۲۰۷، الاستذکار: ۱۰۰۰

☆ وأخرجه مسلم (۱۹۷۱) من حديث مالك به .

٥ وفي رواية يحي بن يحي : "لِثَلَاثٍ".

تفقہ

① علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ تین دنوں سے زیادہ، قربانی کا گوشت کھانے اور ذخیرہ کرنے سے ممانعت والا حکم منسوخ ہے۔ دیکھئے التمہید (۳/۲۱۶)

② حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا کہ جس طرح قرآن میں ناسخ و منسوخ ہے اسی طرح حدیث میں بھی ناسخ و منسوخ ہے اور یہ اوامر و نواہی (احکام) میں تخفیف و مصالح وغیرہما کے لئے

ہوتا ہے۔اخبارِ سابقہ میں قطعاً نسخ نہیں ہوتا۔روافض اور خوارج نے اس کا انکار کر کے یہود کی موافقت کی ہے اور یاد رہے کہ یہ بدأ کے باب میں سے نہیں ہے۔(التمہید ۲۱۵/۳ ملخصاً)

بعض رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کے بارے میں پہلے سے علم نہیں ہوتا اور بعد میں جب اس کا علم ہو جائے تو اس کی رائے بدل جاتی ہے، اسے بدأ کہتے ہیں۔یہ عقیدہ صریحاً کفر ہے۔

③ ممانعت کے بعد جو حکم ہوتا ہے وہ اباحت پر محمول ہوتا ہے۔ (التمہید ۲۱۷/۳)

لہٰذا اب یہ جائز ہے کہ ساری قربانی کا گوشت خود کھایا جائے یا سارا صدقہ کر دیا جائے یا پھر ذخیرہ کر لیا جائے۔بعض علماء اس گوشت کے تین حصے کرنا پسند کرتے ہیں: ایک تہائی خود کھایا جائے، ایک تہائی صدقہ کر دیا جائے اور ایک تہائی ذخیرہ کر لیا جائے لیکن پہلی بات راجح ہے۔نیز دیکھئے سورۃ الحج: ۲۸، ۳۶

④ حج کے علاوہ دوسرے مقامات مثلاً مدینہ اور ساری زمین پر قربانی کرنا مسنون ومشروع ہے لہٰذا بعض منکرینِ حدیث کا یہ دعویٰ کہ قربانی حج کے ساتھ مخصوص ہے، غلط ہے۔

⑤ بات کی تصدیق یا تحقیق کے لئے کسی دوسرے کے سامنے بیان کرنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر امر ہے۔ [موطأ روایۃ ابن القاسم ص ۳۸۹]



قربانی کے چار دن اور اہلِ حدیث علماء

رب نواز دیوبندی نے تین دن قربانی والی روایت کے مطابق فتویٰ دینے یا اس سے استدلال کرنے کے بارے میں درج ذیل علماء کے نام لکھے ہیں:
شوکانی، حافظ عبداللہ روپڑی، مولانا عزیز زبیدی، مولانا علی محمد سعیدی، حافظ عبدالمنان نور پوری، شیخ عبدالقہار و عبدالستار، ڈاکٹر فضل الٰہی، اشرف سلیم صاحب اور مولانا ابو صہیب محمد داود ارشد وغیر ہم۔ (دیکھئے رسالہ تسکین الصدور ج ا ش ۷ شوال تا ذوالحجہ ۱۴۳۴ھ ص ۵۳)
مذکورہ علماء میں سے حافظ روپڑی رحمہ اللہ نے حدیث مذکور پر منقطع ہونے کے اعتراض کا جواب دیا ہے اور شوکانی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:
''ابن حبان نے اس حدیث کو موصول ذکر کیا ہے اور اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے''
نیز حافظ صاحب نے بحوالہ حافظ ابن القیم تیرھویں تاریخ کو قربانی کے جواز پر حدیثِ ادخار و آثار سلف صالحین سے بھی استدلال کیا ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۹۸)
راقم الحروف کے نزدیک یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے، جبکہ مذکورہ علماء کے نزدیک یہ حدیث صحیح، شواہد کے ساتھ حسن یا آثار کی تائید کی وجہ سے قابلِ استدلال ہے، لہٰذا فریقین کے درمیان اصولی اختلاف نہیں بلکہ اجتہادی اختلاف ہے۔
رب نواز دیوبندی نے سوال لکھا ہے:
''اب سوال یہ ہے کہ ایام تشریق والی روایت پیش کرنے، اس پر فتویٰ دینے اور استدلال کرنے والی بے شمار... ضعیف ہیں؟ اور یہ بھی بتا دیا جائے کہ منقطع ہونے سے مراد منقطع النسب ہے یا کچھ اور؟'' الخ (رسالہ تسکین الصدور ج ا ش ۷ ص ۵۴)
الجواب: مذکورہ علماء نے روایات و آثار کو مدنظر رکھتے ہوئے جو موقف اختیار کیا ہے وہ ہمارے نزدیک مرجوح ہے اور یہ ان کی اجتہادی خطا ہے۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے روایت

مذکورہ کو صحیح سمجھ کر اس سے استدلال کیا ہے اور اسے کسی صحیح صریح دلیل کے خلاف پیش نہیں کیا اور نہ کسی دوغلی پالیسی کا ارتکاب کیا ہے۔

دوسرا رُخ:

صحیح سند سے ثابت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ رکعات (تراویح) پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ (دیکھئے موطأ امام مالک ج ۱ ص ۱۱۵ ح ۲۴۹)

اس اثر کو درج ذیل علماء نے صحیح و قابلِ استدلال قرار دیا ہے:

۱: عینی حنفی (صححہ فی نخب الافکار ۵/۱۰۳، دوسرا نسخہ ۳/۲۷۷)

۲: ضیاء المقدسی

۳: طحاوی (قال: " فھذا یدل " شرح معانی الآثار ۱/۲۹۳)

نیز نیموی نے بھی اس کے بارے میں " و إسناده صحیح " لکھا ہے۔ (آثار السنن: ۷۷۶)

اس صحیح اثر کے مقابلے میں غالی مقلدین درج ذیل روایات پیش کرتے ہیں:

۱: **عن یحیی بن سعید عن عمر بن الخطاب أنه امر رجلاً ان یصلی بھم عشرین رکعة** . (بحوالہ ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۲)

۲: **عن الحسن ان عمر بن الخطاب جمع الناس علیٰ ابی بن کعب فکان یصلی بھم عشرین رکعة** . ("بحوالہ نسخہ ابوداؤد مطبوعہ عرب ص ۱۴۲۹")

۳: **عن ابی بن کعب ان عمر بن الخطاب امرہ ان یصلی باللیل فی رمضان فصلّی بھم عشرین رکعة** (بحوالہ کنزل العمال ص ۲۶۴، ج ۸)

۴: **عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطاب جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب و تمیم الداری علیٰ احدی و عشرین رکعة ۔ الحدیث** (بحوالہ عبدالرزاق ص ۲۶۰، ج ۴)

یہ سب حوالے ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے "تحقیق مسئلہ تراویح" میں پیش کئے

تھے۔ (ص۲۴ تا ۲۵)

روایت نمبر ۱ کی سند منقطع ہے۔ (دیکھئے حاشیہ آثار السنن: ۷۸۰)

روایت نمبر ۲ کی سند بھی منقطع ہے، نیز سنن ابی داود کے کئی نسخوں میں ''عشرین رکعۃ'' کی بجائے ''عشرین لیلۃ'' لکھا ہوا ہے اور یہی متن راجح ہے۔

عینی حنفی نے بھی حسن عن عمر والی اس سند کے بارے میں لکھا ہے: اس روایت میں انقطاع ہے کیونکہ حسن (بصری) نے عمر بن خطاب کو نہیں پایا۔ (شرح سنن ابی داود ۵/۳۴۳)

روایت نمبر ۳ کی سند بھی منقطع ہے، جیسا کہ آثار السنن کی حدیث نمبر ۷۸۱ کے حاشیے سے ثابت ہے۔

روایت نمبر ۴ کی سند امام عبدالرزاق (ثقہ مدلس) کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے، نیز موطأ امام مالک کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر بھی ہے۔

امین اوکاڑوی کے نزدیک شاذ روایت پیش کرنا پادری اور پنڈت کا کام ہے، نیز شاذ روایت پیش کرنے والے کا انجام ''منہ کالا'' ہے۔ (دیکھئے تجلیات صفدر ۲/ ۲۲۶، ۴/ ۶۱۶)

جب شاذ روایت پیش کرنے والے کا منہ کالا ہے تو صحیح حدیث کے خلاف منکر روایت پیش کرنے والے کا منہ اور سارا جسم کالا ہی کالا ہوگا۔

راقم الحروف نے اوکاڑوی وغیرہ کے اس طرزِ عمل اور باطل پالیسی پر رد کی وجہ سے لکھا تھا:

''امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے باسند صحیح متصل بیس رکعات تراویح قطعاً ثابت نہیں ہے۔ یحییٰ بن سعید الانصاری اور یزید بن رومان کی روایتیں منقطع ہیں (اس بات کا اعتراف حنفی و تقلیدی علماء نے بھی کیا ہے)

اور باقی جو کچھ ہے وہ نہ تو خلیفہ کا حکم ہے اور نہ خلیفہ کا عمل، اور نہ خلیفہ کے سامنے لوگوں کا عمل، ضعیف و منقطع روایات کو وہی شخص پیش کرتا ہے جو خود ضعیف و منقطع ہوتا ہے۔''

(امین اوکاڑوی کا تعاقب ص ۸۲، طبع جدید ص ۹۴، تعداد رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۲۶)

اس عبارت کا مطلب واضح ہے کہ صحیح حدیث کے مقابلے میں جو شخص بھی جان بوجھ

کرضعیف ومنقطع روایات پیش کرتا ہے تو وہ شخص بذاتِ خود ضعیف ومنقطع ہوتا ہے۔

مذکورہ علمائے حدیث میں سے کسی ایک نے بھی صحیح حدیث کے مقابلے میں جان بوجھ کر ضعیف ومنقطع روایت پیش نہیں کی، بلکہ ایک مختلف فیہا مسئلے میں ایک حدیث صحیح سمجھ کر بیان کی ہے اور آثار سے بھی استدلال کیا ہے۔

جبکہ دوسرے طرف مشہور بدعتی اور غالی مقلد ماسٹر اوکاڑوی نے صحیح حدیث کے مقابلے میں ضعیف ومنقطع آثار پیش کر کے اپنے ضعیف ومتروک ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

راقم الحروف کی عبارت مذکورہ میں ''ضعیف ومنقطع'' کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں اُن میں منقطع سے مراد سخت ضعیف یعنی متروک ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارک کا مذاق اڑانے والوں میں ماسٹر امین اوکاڑوی بہت آگے تھا، مثلاً: ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر (کالا) کتا سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔'' (صحیح مسلم ۱/۱۹۷ ح ۵۱۰)

اس حدیث کا مذاق اُڑاتے ہوئے آنجہانی اوکاڑوی نے لکھا ہے:

''لیکن آپ نماز پڑھاتے رہے اور کُتیا سامنے کھیلتی رہی، اور ساتھ گدھی بھی تھی، دونوں کی شرمگاہوں پر بھی نظر پڑتی رہی۔'' (تجلیات صفدر ج ۵ ص ۴۸۸)

یاد رہے کہ یہ کتاب اوکاڑوی مذکور کے دستخطی اجازت نامے اور اس کی موت کے بعد آلِ اوکاڑوی وغیرہ کے تصدیق ناموں کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

(دیکھئے تجلیات صفدر ج ۱ ص ۲۹۔۳۲)

لہٰذا اس عبارت کو کاتب کی غلطی قرار دینا غلط ہے۔

ثابت ہوا کہ اوکاڑوی نے بدعقیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح احادیث کے خلاف ضعیف ومنقطع روایات پیش کیں، لہٰذا عبارت مذکورہ میں ضعیف ومنقطع (متروک) کا فتویٰ اوکاڑوی اور اس جیسے دوسرے بدعقیدہ لوگوں پر ہے۔

[مقالات ۶/۴۵۴]

غلام رسول سعیدی: ایک موضوع روایت اور قربانی کا وجوب؟

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اور قربانی کرنے کا وجوب حسب ذیل احادیث سے ثابت ہے، نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

ضحوا و طیبوا بھا انفسکم خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۹۳، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۲۲۳۴۔۸۱۶۷ قدیم، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۶، المستدرک ج ۴ ص ۲۲۱، شرح السنہ رقم الحدیث: ۱۱۲۴)

اس حدیث میں آپ نے قربانی کرنے کا حکم دیا ہے اور امر اصل میں وجوب کے لئے آتا ہے، خصوصاً جب کہ قرائن صارفہ سے خالی ہو۔'' (تبیان القرآن ج ۹ ص ۹۳۷)

عرض ہے کہ ''ضحوا'' یعنی قربانی کرو کے حکم کے ساتھ یہ حدیث نہ تو سنن ترمذی میں موجود ہے اور نہ سنن ابن ماجہ میں ہے، نہ تو مستدرک میں ملی ہے اور نہ شرح السنۃ للبغوی میں ہے، لہٰذا مذکورہ تمام حوالے غلط ہیں۔

ہمارے علم کے مطابق یہ حدیث مذکورہ حوالوں میں سے صرف مصنف عبد الرزاق (ح ۸۱۶۷، دوسرا نسخہ: ۸۱۹۸) میں موجود ہے، اسے امام عبد الرزاق نے ابو سعید الشامی قال: حدثنا عطاء بن ابی رباح عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت کیا ہے۔

اس روایت کے مرکزی راوی ابو سعید عبد القدوس بن حبیب الشامی کا تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: امام عبد اللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ نے عبد القدوس بن حبیب کے بارے میں فرمایا: ''کذاب'' بڑا جھوٹا۔ (مقدمہ صحیح مسلم: ۸۲ وسندہ صحیح، مع شرح غلام رسول سعیدی ج ۱ ص ۲۳۱)

۲: امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"متروك الحديث ، كان لا يصدق "متروک الحدیث، اسے سچا نہیں سمجھا جاتا تھا/ یا وہ سچ نہیں بولتا تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۶/۵۶، نیز دیکھئے علل الحدیث ۱/۴۵۹ ح ۱۳۸۰)

۳: امام ابوحفص عمرو بن علی الفلاس الصیر فی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"أجمع أهل العلم على ترك حديثه" اس کی حدیث ترک کرنے پر اہلِ علم کا اجماع ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۶/۵۶، تاریخ بغداد ۱۱/ ۱۲۸، وسندہ صحیح)

۴: امام مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ذاهب الحديث" یعنی وہ حدیث میں گیا گزرا ہے۔

(کتاب الکنیٰ قلمی مصور ۴۵/ ۱۲۱، تاریخ بغداد ۱۱/ ۱۲۸، وسندہ صحیح)

ذاہب الحدیث کے بارے میں دیکھئے اسی سلسلے کا حوالہ نمبر ۱۰

۵: امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

"في حديثه مناكير" اس کی حدیثوں میں منکر (روایتیں) ہیں۔

(کتاب الضعفاء تحقیقی: ۲۴۶، تحفۃ الاقویاء ص ۷۷)

۶: امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"أبو سعيد الشامي ، متروك" (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۳۷۷)

۷: حافظ ابن مندہ نے فرمایا:

اسانید اور متون گھڑنے کے ساتھ عبداللہ بن مسور، عمرو بن خالد، ابوداود النخعی سلیمان بن عمرو، غیاث بن ابراہیم، محمد بن سعید الشامی، عبدالقدوس بن حبیب اور غالب بن عبیداللہ الجزری مشہور ہیں۔ (فضل الاخبار و شرح مذاہب الآثار ۱/ ۸۱، تحقیقی مقالات ۵/ ۵۴۱)

۸: حافظ ابن حبان نے فرمایا:

"وكان يضع الحديث على الثقات ، لا تحل كتابة حديثه ولا الرواية عنه" وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور ثقہ راویوں سے منسوب کر دیتا تھا، اس کی حدیث لکھنا حلال نہیں اور نہ اس سے روایت حلال ہے۔ (کتاب المجروحین ۲/ ۱۳۱، دوسرا نسخہ ۲/ ۱۱۳)

۹: حافظ ابن عدی نے فرمایا:

"وهو منكر الحديث إسنادًا و متنًا" وہ سند اور متن (دونوں) کے لحاظ سے منکر حدیثیں بیان کرنے والا تھا۔ (الکامل لابن عدی ۵/۱۹۸۱، دوسرا نسخہ ۷/۴۶)

۱۰: امام محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی نے فرمایا:

"وهو ذاهب الحديث" وہ حدیث میں گیا گزرا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱۱/ ۱۲۸، وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ یہ الفاظ شدید جرح پر محمول ہیں۔ دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۲/ ۳۷)

ان کے علاوہ دوسرے بہت سے محدثین وعلمائے اہل سنت نے ابوسعید عبدالقدوس بن حبیب الشامی پر جرحیں کی ہیں، جن کی تفصیل لسان المیزان (۴/ ۴۵۔ ۴۸) اور کتب المجروحین میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ غلام رسول سعیدی صاحب کی پیش کردہ روایت اصولِ حدیث کی رُو سے موضوع ہے، جسے وہ تفسیرِ قرآن کے تحت عام سادہ لوح لوگوں میں بغیر جرح کے بلکہ بطورِ استدلال پھیلا رہے ہیں۔

دوسری سند: حافظ ابن عبدالبر کی کتاب التمہید میں اس روایت کی دوسری سند بھی ہے، جس کی سند میں نصر بن حماد راوی ہے اور اسماء الرجال کی رُو سے اس کا مقام درج ذیل ہے:

۱: امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "نصر بن حماد كذاب"

(کتاب الضعفاء للعقیلی ۴/ ۳۰۱، دوسرا نسخہ ۴/ ۱۴۲۶، وسندہ صحیح)

۲: امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "هو متروك الحديث"

(کتاب الجرح والتعدیل ۸/ ۴۷۰)

۳: امام ابوزرعہ الرازی نے فرمایا:

"لا يكتب حديثه" اس کی حدیث لکھی نہیں جاتی۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۸/ ۴۷۰)

۴: امام مسلم نے فرمایا: "ذاهب الحديث"

(کتاب الکنیٰ مخطوط مصور ص ۱۰۲/ ۲۶، تاریخ بغداد ۱۳/ ۲۸۲ وسندہ صحیح)

۵: عقیلی نے فرمایا: ”و نصر بن حماد متروك“

(کتاب الضعفاء ۴/۳۰۱، دوسرا نسخہ ۴/۱۴۲۶)

۶: امام یعقوب بن شیبہ نے فرمایا:

”لیس بشيءٍ“ وہ کوئی چیز نہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۳/۲۸۱ ت ۷۲۴۴)

۷: حافظ ابن عبدالبر نے نصر بن حماد الوراق کے بارے میں خود لکھا ہے:

”یروي عن شعبة مناکیر، ترکوہ“ اس نے شعبہ سے منکر روایتیں بیان کیں، انھوں (محدثین) نے اسے ترک کر دیا ہے۔ (التمہید ۱/۵۰)

۸: امام دارقطنی نے اسے کتاب الضعفاء والمتروکین (ص ۳۸۰ رقم ۵۴۶) میں ذکر کیا۔

۹: حافظ ذہبی نے فرمایا: ”حافظ متهم“ (الکاشف ۳/۲۱۳ ت ۵۸۰۵)

۱۰: ہیثمی نے فرمایا: ”وھو متروك“ (مجمع الزوائد ۶/۹۱ باب فیمن قتل من المشرکین یوم بدر)

ان کے علاوہ مزید جروح کے لئے تہذیب التہذیب وغیرہ کی طرف رجوع کریں اور اپنے آپ کو حنفیت کی طرف منسوب کرنے والوں کو چاہیئے کہ ذرا نصب الرایہ (۲/ ۳۸۷) بھی پڑھ لیں۔

یہ دوسری روایت بھی موضوع ثابت ہوئی، لہٰذا سعیدی صاحب کا اپنی پیش کردہ روایت میں صیغۂ امر سے وجوب ثابت کرنا باطل و مردود ہوا۔

ان پر یہ ضروری تھا کہ پہلے اپنی پیش کردہ روایت کی تحقیق کرتے، موضوع اور مردود روایات پیش کرنے سے حیا کرتے پھر تخت پر نقش نگاری کرتے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا کہ کذابین کی روایت سینے سے لگائے عیدالاضحیٰ کی قربانی کا وجوب ثابت کر رہے ہیں۔

کیا شارحِ قرآن اور شارحِ صحیحین کا یہی طرزِ عمل ہوتا ہے؟!

بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ سعیدی صاحب کے پیش کردہ دیگر حوالوں میں ”ضحوا“ کا لفظ موجود ہی نہیں اور سنن ترمذی (۱۴۹۳، وقال: حسن غریب) سنن ابن ماجہ (۳۱۲۶) اور مستدرک الحاکم (۴/ ۲۲۱۔۲۲۲ ح ۷۵۲۳ وقال: ”صحیح الاسناد“ فردہ الذهبي

بقوله: سلیمان واهٍ و بعضهم ترکه) والی روایت میں قربانی کی فضیلت کے آخر میں:

"**فطیبوا بها نفسا**" پس اپنے دلوں کو خوش کرو۔

کے الفاظ ہیں اور ان سے قربانی کا وجوب ثابت نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ یہ روایت حسن یا صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

اس کے راوی ابوالمثنیٰ سلیمان بن یزید الکعبی کو جمہور محدثین [1] نے ضعیف ومجروح قرار دیا ہے، جن میں سے بعض گواہیاں درج ذیل ہیں:

۱: امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا:

"**منکر الحدیث، لیس بقوي**" وہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا تھا، وہ قوی نہیں۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۴/ ۱۴۹)

۲: دارقطنی نے فرمایا: "**وأبو المثنیٰ ضعیف**" (کتاب العلل ۱۵/ ۵۱سوال ۳۸۲۳)

۳: حافظ ذہبی نے فرمایا: "واهٍ" کمزور ہے۔ (تلخیص المستدرک: ۷۵۲۳)

۴: حافظ ابن حجر نے فرمایا: "**ضعیف**" (تقریب التھذیب: ۸۳۴۰)

حافظ ابن حبان نے توثیق بھی کی اور جرح بھی کی، لہٰذا ان کے دونوں اقوال باہم متعارض [2] ہو کر ساقط ہیں اور جمہور محدثین کے مقابلے میں ترمذی وحاکم کی توثیق مرجوح ہے، نیز ہشام بن عروہ سے ابوالمثنیٰ کے سماع میں بھی نظر ہے۔

خلاصہ یہ کہ سنن ترمذی والی روایت ضعیف بھی ہے اور سعیدی صاحب کے دعویٰ پر دلیل بھی نہیں۔

---

[1] ذکرہ ابن الجوزی فی الضعفاء (۱۵۵۰)

وقال ابن عبدالهادی: "وهو شیخ غیر محتج بحدیثه" وقال فی موضع: "منکر الحدیث غیر محتج به" (الصارم المنکی فی الرد علی السبکی: ص۱۷۴، ۱۷۶) [معاذ]

[2] وقال ابن عبدالهادی: "فقد تبین أن ابن حبان تناقض فی ذکره أبا المثنی فی الکتابین کتاب الثقات وکتاب المجروحین، وکأنه توهم أنه رجلان، وذلك خطأ، بل هو رجل واحد منکر الحدیث غیر محتج به" (الصارم المنکی: ص۱۷۶) [معاذ]

غلام رسول سعیدی صاحب نے مزید لکھا ہے:

''نیز آپ نے فرمایا:

على اهل كل بيت في كل عام أضحية و عتيرة — ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے

(سنن ابی داود رقم الحدیث: ۲۷۸۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۵۱۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۴۲۲۴، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۱۲۵)

اور علیٰ وجوب کے لئے آتا ہے یعنی ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا واجب ہے، اور عتیرہ ابتدائے اسلام میں منسوخ ہو گیا تھا'' (تبیان القرآن ۹/ ۹۳۷)

علیٰ ہر جگہ وجوب کے معنی میں آتا ہے یا نہیں؟ اس بات سے قطعِ نظر اس روایت کی سند میں ابو رملہ عامر مجہول الحال راوی ہے، اسے (ہمارے علم کے مطابق) ترمذی کے علاوہ کسی نے بھی ثقہ وصدوق یا حسن الحدیث قرار نہیں دیا۔

بلکہ حافظ ذہبی نے فرمایا: '' فيه جهالة '' اس میں جہالت یعنی مجہول پن ہے۔

(میزان الاعتدال ۲/ ۳۶۳ ت ۴۰۹۷)

اور فرمایا: ''لا يعرف'' وہ غیر معروف ہے۔ (دیوان الضعفاء والمتروکین ۲/ ۱۱ ت ۲۰۶۱)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''لا يعرف'' وہ غیر معروف ہے۔ (تقریب التہذیب: ۳۱۱۳)

حافظ عبدالحق اشبیلی [1] نے اس سند کو ضعیف کہا اور ابن القطان (الفاسی) [2] نے عامر کی جہالت (مجہول ہونے) کی وجہ سے اُن کی تصدیق کی۔ (میزان الاعتدال ۲/ ۳۶۳)

ان موضوع وضعیف روایات کے بعد سعیدی صاحب نے سنن ابن ماجہ (۳۱۲۳) وغیرہ کی وہ روایت بھی پیش کی ہے کہ ''جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے''

---

[1] الاحکام الوسطیٰ (۴/ ۱۲۶) [2] بیان الوہم والایہام (۳/ ۵۷۷)

ابن عبدالہادی نے کہا: ''وفيه جهالة'' (تنقیح التحقیق: ۳/ ۵۶۵ ح ۲۲۷۷)

ابن حزم نے کہا: ''مجهول، لا يدرى'' (المحلی: ۶/ ۸) [معاذ]

سعیدی صاحب نے لکھا ہے: ''اس حدیث میں قربانی نہ کرنے پر وعید ہے اور وعید صرف واجب کے ترک پر ہوتی ہے'' (تبیان القرآن ۹/ ۹۳۷)

عرض ہے کہ اس میں وعید نہیں بلکہ ممانعت ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے:

جو شخص ثوم (لہسن) کھائے تو وہ ہمارے مسجد کے قریب نہ آئے۔ (صحیح بخاری:۸۵۳)

ایک روایت میں ہے: جو شخص لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے دور رہے یا ہماری مسجد سے دور رہے۔ (صحیح بخاری:۵۴۵۲)

اور فرمایا: ہمارے قریب نہ آئے اور ہرگز ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے۔ (بخاری:۸۵۶، مسلم:۵۶۲)

کیا اگر کوئی شخص کچا پیاز یا لہسن کھالے تو آلِ بریلی کے نزدیک اس پر واجب ہے کہ مسجد میں داخل نہ ہو اور مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت نہ پڑھے؟!

اگر ہے تو حوالے پیش کریں اور اگر نہیں تو سعیدی صاحب کا استدلال باطل ہے۔

سعیدی صاحب نے لکھا ہے: ''نیز آپ کا ارشاد ہے:

''من ذبح قبل الصلاة فليعد اضحيته جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی وہ اپنی قربانی دہرائے۔ (صحیح بخاری رقم الحدیث:۵۵۵۶، صحیح مسلم رقم الحدیث:۱۵۵۲، سنن الترمذی رقم الحدیث:۱۵۰۸، مسند احمد ج ۴ص ۲۹۷)

اس حدیث میں آپ نے قربانی دوبارہ کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ واجب کی علامت ہے۔'' الخ (تبیان القرآن ج ۹ص ۹۳۷)

اس حدیث کے آخر میں آیا ہے کہ ''و من ذبح بعد الصلاة فقد تمّ نسكه و أصاب سنة المسلمين .'' اور جس نے (عید کی) نماز کے بعد ذبح کی تو اس کی قربانی مکمل ہوگئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو پالیا۔ (صحیح بخاری:۵۵۵۶، صحیح مسلم:۱۹۶۱، دارالسلام:۵۰۶۹)

جو لوگ اس حدیث سے وجوب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کے بارے میں حافظ ابن حجر العسقلانی نے لکھا ہے: '' ورده الطحاوي بأنه لو كان كذلك لتعرض إلى قيمة الأولى ليلزم بمثلها ، فلما لم يعتبر ذلك دل على أن الأمر

بالاعادة كان علٰى جهة الندب." اور اسے طحاوی نے رد کر دیا ہے، کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو پہلی (قربانی) کی قیمت اس کے ذمے لگائی تھی تا کہ اس کا مثل لازم ہو سکے، لہٰذا جب اس کا اعتبار نہیں کیا گیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ اعادے (دوبارہ قربانی) کا حکم استحباب کے طور پر ہے۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۶ تحت ح ۵۵۵۶۔۵۵۵۷)

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول آگے "قربانی سنت مؤکدہ ہے" کے تحت آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

طحاوی کا یہ خیال ہے کہ ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے خود اپنے آپ پر پہلی قربانی کو واجب قرار دے رکھا تھا، لہٰذا انھیں اعادے کا حکم دیا گیا۔ (دیکھئے شرح مشکل الآثار ۱۲/ ۳۷۹ تحت ح ۴۸۷۷)

نیز طحاوی نے لکھا ہے:

"وذهب أكثر أهل العلم سواه إلٰى أنها مأموربها، محضوض عليها، غير واجبة" ان (امام ابوحنیفہ) کے علاوہ اکثر اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ یہ مامور بہ ہے (یعنی ایسا حکم ہے) جس کی بہت ترغیب دی گئی ہے، یہ واجب نہیں ہے۔ (مشکل الآثار ۱۲/ ۳۷۹)

قرطبی نے لکھا ہے:

"ولاحجة في شيءٍ من ذلك واضحة لأن المقصود بيان كيفية مشروعية الأضحية لمن أراد أن يفعلها أو من التزمها فأوقعها علٰى غير الوجه المشروع غلطًا أو جهلاً فبين له النبي ﷺ وجه تدارك مافرّط فيه."

اور اس (استدلال) میں کوئی واضح دلیل نہیں کیونکہ مقصود تو مسنون قربانی کی کیفیت ہے اس کے لئے جو کرنا چاہتا ہے یا اس نے اسے (اپنے آپ پر) لازم قرار دیا ہے پھر وہ غلطی یا ناسمجھی کی وجہ سے مسنون طریقے کے بغیر یہ کر دیتا ہے، پس نبی ﷺ نے اسے وہ بات بتا دی جس سے وہ اپنی غلطی کا تدارک کر سکتا ہے۔ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ج ۵ ص ۳۵۲)

اس سے ثابت ہوا کہ سعیدی صاحب کا حدیث مذکور سے استدلال غلط ہے، نیز قرائن صارفہ کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ [مقالات ۶/ ۲۷۶]



قربانی سنت مؤکدہ ہے

امام مالک نے فرمایا: قربانی سنت ہے، واجب نہیں اور میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی آدمی مال و دولت ہونے کے باوجود اسے ترک کرے۔ (الموطأ ۲/ ۴۸۷ بعد ح ۱۰۷۳، روایۃ یحییٰ بن یحییٰ)

امام احمد سے پوچھا گیا: قربانی فرض ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں اسے فرض نہیں کہتا لیکن یہ مستحب ہے۔ (مسائل ابی داود ص ۲۵۵ مختصراً)

امام بخاری نے فرمایا: "باب سنة الأضحية" قربانی کی سنت کا باب۔

پھر انھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تعلیقاً روایت بیان کی: " هي سنة و معروف" قربانی سنت ہے اور نیکی کا کام ہے۔

(صحیح بخاری قبل ح ۵۵۴۵، نیز دیکھئے تغلیق التعلیق ۵/ ۳ وفیہ ابو الخصیب زیاد بن عبدالرحمٰن القیسی)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "والعمل على هذا عند أهل العلم أن الأضحية ليست بواجبة ولكنها سنة من سنن النبي صلی اللہ علیہ وسلم يستحب أن يعمل بها وهو قول سفيان الثوري و ابن المبارك " اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ قربانی واجب نہیں لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے اور اس پر عمل کرنا مستحب ہے، یہی قول سفیان ثوری اور عبداللہ بن المبارک کا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۵۰۶)

اور یہی قول اکثر اہل علم کا ہے، جیسا کہ طحاوی کے حوالے سے گزر چکا ہے اور اب اس کے بعض دلائل پیشِ خدمت ہیں:

۱) ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((إذا دخلت العشر وأراد أحدكم أن يضحي فلا يمسّ من شعره و بشره شيئاً.)) جب (ذوالحجہ کا) عشرہ داخل ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو نہ اپنے بال کاٹے اور نہ ناخن کاٹے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۷۷، ترقیم دارالسلام: ۵۱۱۷، شرح غلام رسول سعیدی ۶/ ۱۷۲)

اس حدیث پر امام دارمی نے ”باب ما يستدل من حديث النبي ﷺ أن الأضحية ليس بواجب“ (سنن دارمی ۲/ ۶ ۷ قبل ح ۱۹۵۳) باندھا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے دوبارہ قربانی والی حدیث کی شرح میں فرمایا:

”فاحتمل أن يكون إنما أمره أن يعود لضحية ان الضحية واجبة واحتمل أمره أن يكون أمره أن يعود إن أراد أن يضحي لأن الضحية قبل الوقت ليست بضحية تجزيه فيكون من عداد من ضحى، فوجدنا الدلالة عن رسول الله ﷺ ان الضحية ليست بواجبة لا يحل تركها و هي سنة نحب لزومها و نكرة تركها لا علىٰ ايجابها فإن قيل فأين السنة التي دلت علىٰ أن ليست بواجبة ؟ قيل ـ أخبرنا سفيان عن عبد الرحمٰن بن حميد عن سعيد ابن المسيب عن أم سلمة رضي الله عنها قالت قالت رسول الله ﷺ :إذا دخل العشر فأراد أحدكم أن يضحى فلا يمس من شعره ولا من بشره شيئًا. (قال الشافعي رحمه الله) وفي هذا الحديث دلالة علىٰ أن الضحية ليست بواجبة...“ اسے آپ کے حکم کہ دوبارہ قربانی کرو، میں یہ احتمال ہے کہ قربانی واجب ہے اور آپ کے حکم کا یہ (بھی) احتمال ہے کہ آپ نے اسے دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا بشرطیکہ وہ قربانی کرنا چاہیں کیونکہ وقت سے پہلے ذبح کر دینا قربانی نہیں جو جائز ہو لہٰذا (قربانی کر کے) وہ بھی قربانی کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا پھر ہمیں رسول اللہ ﷺ (کی حدیث) سے دلیل مل گئی کہ قربانی واجب نہیں، اسے ترک کرنا حلال نہیں اور یہ سنت ہے جسے لازم پکڑنا ہم پسند کرتے ہیں اور ترک کرنا مکروہ سمجھتے ہیں، واجب نہیں۔ پھر اگر کہا جائے کہ وہ سنت (حدیث) کہاں ہے جو اس کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہے؟ (ہماری طرف سے) کہا گیا: ہمیں سفیان (بن عیینہ) نے حدیث بیان کی، انھوں نے عبدالرحمٰن ابن حمید عن سعید بن المسیب عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب عشرہ داخل ہو جائے اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ کرے تو نہ اپنے بال کاٹے اور نہ ناخن

کاٹے۔ (شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:) اس حدیث میں دلیل ہے کہ قربانی واجب نہیں۔ الخ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۶۳ وسندہ صحیح)

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث پیش کر کے امام ابن المنذر نے لکھا ہے:

" فالضحية لا تجب فرضًا ، استدلالاً بهذا الحديث إذ لو كان فرضًا لم يجعل ذلك إلى إرادة المضحي " پس اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قربانی واجب فرض نہیں، کیونکہ اگر یہ فرض ہوتی تو اسے قربانی کرنے والے کے ارادے پر موقوف نہ کیا جاتا۔ (الاقناع لابن المنذر ا/۳۷۶)

قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی نے کہا: "فعلّق الاضحية بالارادة والواجب لا يتوقف عليها، بل هو فرض أراد المكلّف أو لم يرد " پس آپ نے قربانی کو ارادے پر معلّق کیا اور واجب کے بارے میں توقف نہیں کیا جاتا بلکہ وہ فرض ہے مکلّف چاہے یا نہ چاہے۔ (احکام القرآن ۴/۱۹۸۹، سورۃ الکوثر)

نیز حافظ ابن حزم نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ہے: "برهان بأن الأضحية مردودة إلى ارادة المسلم و ما كان هكذا فليس فرضًا " دلیل ہے کہ قربانی کو مسلمان کے ارادے پر موقوف کیا گیا ہے اور جس کی یہ حالت ہو وہ فرض نہیں ہوتی۔
(المحلی ۷/۳۵۵ مسئلہ ۹۷۳)

آٹھویں صدی کے ابن الترکمانی (م ۷۴۵ھ) نے امام شافعی پر اعتراض کرتے ہوئے دو روایتیں پیش کی ہیں:

اول: "من أراد الجمعة فليغتسل " (الجوہر النقی ۹/۲۶۳)

ان الفاظ سے یہ روایت محلِ نظر ہے لیکن صحیح مسلم میں ہے:

"إذا أراد أحدكم أن يأتي الجمعة فليغتسل " جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ جانے کے لئے ارادہ کرے تو غسل کر لے۔ (ح ۸۴۴، دارالسلام: ۱۹۵۱)

یہاں ارادہ جمعہ پڑھنے یا نہ پڑھنے پر موقوف نہیں بلکہ جمعہ پڑھنے کے لئے روانہ

ہونے اور غسل کرنے پر موقوف ہے، جیسا کہ ماوردی نے کہا:

" **قلنا: إنما علّق بالارادة الغسل دون الجمعة والغسل ليس بواجب فكذلك الاضحية.** " ہم نے کہا: یہاں ارادہ جمعے پر نہیں بلکہ غسل پر معلّق ہے اور غسل واجب نہیں، پس اسی طرح قربانی بھی واجب نہیں۔ (الحاوی الکبیر للماوردی ج ۱۵ ص ۱۶۱)

دوم: "**من أراد الحج فليتعجل**" (الجوہر النقی ۹/۲۶۳)

یہاں ارادہ حج کرنے یا نہ کرنے کے ساتھ نہیں بلکہ تعجیل یا تاخیر کے ساتھ مشروط ہے۔

صوفی عبدالرؤوف المناوی (م ۱۰۳۱ھ) نے لکھا ہے:

"**وهذا أمر ندبي لأن تاخير الحج عن وقت وجوبه سائغ كما علم من دليل آخر**" اور یہ حکم استحبابی ہے کیونکہ وقتِ وجوب سے حج کی تاخیر جائز ہے جیسا کہ دوسری دلیل سے ثابت ہے۔ (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۶/۶۳ تحت ح ۸۳۸۴)

یہ دونوں اعتراضات ختم ہوئے اور حدیثِ مسلم سے استدلال باقی رہا۔ والحمد للہ

۲) ابوسریحہ (حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ "**أن أبا بكر و عمر** رضی اللہ عنہما **كانا لا يضحيان** " بے شک ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار ۴/۱۷۴ باب من نحر يوم النحر قبل أن ينحر الإمام، وسندہ حسن)

ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوسریحہ نے فرمایا: میں نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا "**وما يضحيان**" اور وہ دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار طبع سعید کمپنی کراچی ج ۲ ص ۳۲۹، وسندہ صحیح، مترجم اردو ج ۴ ص ۱۷۸ ح ۳۷۲۳)

تنبیہ: معانی الآثار میں کاتب کی غلطی سے ابوسریحہ کے بجائے ابوشریحہ لکھا ہوا ہے اور مکتبہ شاملہ میں صحیح حوالہ یعنی ابوسریحہ بھی موجود ہے۔

فائدہ: یہ دونوں روایتیں بطورِ استدلال پیش کر کے طحاوی (حنفی) نے یہ مسئلہ ثابت کیا ہے کہ عوام کے لئے نمازِ عید کے بعد اور خلیفہ کے قربانی کرنے سے پہلے بھی قربانی کر لینا جائز ہے۔

معرفۃ السنن والآثار للبیہقی کی روایت ہے کہ ابو سریحہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) دونوں میرے پڑوسی تھے، پس وہ دونوں قربانی نہیں کرتے تھے۔

(معرفۃ السنن والآثار ۷/ ۱۹۸، وسندہ حسن، مسند الفاروق لابن کثیر ۱/ ۳۳۲ وقال: وھذا إسناد صحیح)

بیہقی کی السنن الکبریٰ (۹/ ۲۶۵) میں بھی اس مفہوم کی ایک روایت ہے جس کی سند میں سفیان بن سعید الثوری ہیں اور سند عن سے ہے۔

یہ روایت حنفیہ، دیوبندیہ اور بریلویہ تینوں کے اصول سے بالکل صحیح ہے اور اہل حدیث کے اصول سے سندہ ضعیف لکنہ صحیح لغیرہ ہے۔

اس روایت کی دوسری سند میں اسماعیل بن ابی خالد مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔

امام دارقطنی نے اس روایت کو محفوظ (صحیح) قرار دیا اور فرمایا کہ یہ اسماعیل (بن ابی خالد) نے شعبی سے سنی ہے۔ (کتاب العلل ۱/ ۲۸۶ سوال ۷۶)

نیز دیکھئے الامالی للمحاملی (ح ۳۳۵ دوسرا نسخہ چوتھا حصہ: ۷۹) احکام القرآن لابن العربی (۴/ ۱۹۸۹) المعجم الکبیر للطبرانی (۳/ ۱۸۲ ح ۳۰۵۸، مجمع الزوائد ۴/ ۱۸) اور ارواء الغلیل (۴/ ۳۵۵ ح ۱۱۳۹)

بعض الناس کا یہ کہنا کہ ان دونوں کے پاس نصابِ زکوٰۃ یا مال نہیں تھا، بالکل بے دلیل ہے، جس کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ دونوں (رضی اللہ عنہما) اس وجہ سے قربانی نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ اسے سنت واجبہ نہ سمجھ لیں، جیسا کہ اس روایت کی بعض سندوں میں آیا ہے۔

۴) اب چند وہ روایات پیشِ خدمت ہیں جو حنفی، دیوبندی اور بریلوی تینوں کے اصول سے صحیح یا حسن ہیں:

۱: ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے قربانی کو چھوڑ دینے کا ارادہ کیا اور میرے پاس تم سے زیادہ مال موجود ہے، اس خوف کی وجہ سے کہ دل اسے کہیں واجب ضروری نہ سمجھ لے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/ ۲۶۵)

اس روایت کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے (عن منصور و واصل) باقی سند صحیح ہے، لہٰذا حنفیہ و بریلویہ و دیوبندیہ کے اُصول سے یہ روایت صحیح ہے۔

۲: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”ما أبالي لو ضحيت بديك“ مجھے کوئی پروا نہیں اگرچہ میں مرغ کی قربانی کردوں۔ (المؤتلف والمختلف للدارقطنی ۲/۱۰۴۱)

اس روایت کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے، باقی ساری سند صحیح ہے، لہٰذا حسبِ دیتینوں فرقوں کے اصول سے یہ روایت صحیح ہے۔

تنبیہ: یہ روایت مصنف عبدالرزاق (۴/۳۸۴ ح ۸۱۵۶) میں بھی موجود ہے، بلکہ المحلی لابن حزم (۷/۳۵۸ مسئلہ ۹۷۳) میں بحوالہ سعید بن منصور سفیان ثوری کی متابعت (ابوالاحوص ثقہ) بھی مذکور ہے۔ واللہ اعلم

۳: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے ابوالخصیب سے کہا: شاید تم اسے (قربانی کو) حتمی (ضروری، واجب) سمجھتے ہو؟ ابوالخصیب نے کہا: نہیں! لیکن وہ اجر ہے۔ خیر ہے اور سنت ہے۔ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی ہاں! (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۶۶)

اس روایت کی سند میں بنو قیس بن ثعلبہ کا ایک آدمی ابوالخصیب (زیاد بن عبدالرحمٰن القیسی) ہیں، جنھیں ابن حبان نے ثقہ قرار دیا اور امام بخاری نے تعلیقات میں ان سے روایت لی۔ (قبل ح ۵۵۴۵) [1]

حافظ ابن حجر نے ان کی بیان کردہ اس روایت کے بارے میں فرمایا: ”بسند جيد إلى ابن عمر“ یعنی ابن عمر تک اچھی سند کے ساتھ۔ (فتح الباری ۱۰/۳ کتاب الاضاحی باب ۱)

اس سے ثابت ہوا کہ زیاد بن عبدالرحمٰن صدوق راوی ہیں، لہٰذا یہ سند حسن ہے۔

عبدالعزیز بخاری (حنفی) نے لکھا ہے: ”وعندنا خبر المجهول من القرون الثلاثة مقبول“ ہمارے نزدیک قرون ثلاثہ (خیر القرون) کے مجہول کی روایت مقبول ہے۔

(کشف الاسرار ۲/۳۸۶)

نیز دیکھئے حسامی مع النامی (۱/۱۴۳۔۱۴۴) اور مسلم الثبوت (ص ۱۹۱)

---

[1] بوصیری نے ان کی بیان کردہ روایت کے بارے میں کہا: ”هذا إسناد حسن ......“
(اتحاف الخیرۃ المہرۃ: ۵/۳۲۵ ح ۴۷۶۸) [معاذ]

آخر میں عرض ہے کہ قربانی کا وجوب صراحتاً کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں اور نہ کسی صحابی یا تابعی نے اسے واجب قرار دیا ہے، بلکہ اس مضمون میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے اس کا عدم وجوب ثابت ہے، لہٰذا قربانی سنت مؤکدہ ہے اور اسے ترک نہیں کرنا چاہئے۔

قربانی کا سنت یا مستحب ہونا امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور جمہور علماء سے صراحتاً ثابت ہے، جبکہ اس کا واجب ہونا نہ کسی صحابی سے ثابت ہے، نہ کسی تابعی سے ثابت ہے اور نہ امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۱۰/ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۷/ اکتوبر ۲۰۱۲ء) [مقالات ۶/ ۲۸۳]



[کیا جعد بن درہم نے خالد القسری کی طرف سے قربانی کا جانور ذبح کیا تھا؟]

کوثری نے تانیب میں خالد بن عبداللہ القسری کے بارے میں لکھا ہے:

"والقسري هذا هو الذي بنى كنيسة لأمه تتعبد فيها وهو الذي يقال عنه أنه ذبح الجعد بن درهم يو م عيد الأضحى أضحية عنه والخبر على انتشاره وذيوعه غير ثابت" (ص۶۲)

اس کا ترجمہ کرتے ہوئے عبدالقدوس نے لکھا ہے: "اور یہ القسری وہ ہے جس نے اپنی ماں کے لئے گرجا بنایا تھا جس میں وہ عبادت کیا کرتی تھی۔ اور یہ وہی ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے دن الجعد بن درہم نے اس کی طرف سے قربانی کا جانور ذبح کیا تھا۔ اور یہ واقعہ مشہور ہونے اور پھیل جانے کے باوجود ثابت نہیں ہے۔"

(ابوحنیفہ کا عادلانہ دفاع ص۱۷۸)

عبدالقدوس کی یہ بات کہ "عیدالاضحیٰ کے دن الجعد بن درہم نے اس (خالد القسری) کی طرف سے قربانی کا جانور ذبح کیا تھا" بڑی عجیب و غریب اور نایاب دریافت ہے۔ حالانکہ محولہ عبارت اور اس کا صحیح ترجمہ درج ذیل ہے:

"أنه ذبح الجعد بن درهم يوم عيد الأضحى أضحية عنه" بے شک اُس نے اپنی طرف سے جعد بن درہم کو عیدالاضحیٰ کے دن (بطور) قربانی ذبح کیا۔

کوثری کے نزدیک مشہور اور غیر ثابت واقعہ تو یہ ہے کہ خالد القسری نے عیدالاضحیٰ کے دن، اپنی طرف سے قربانی کے طور پر جعد بن درہم (ضال و مضل اور منکرِ صفات باری تعالیٰ) کو ذبح کیا تھا۔

جب کہ عبدالقدوس صاحب، یہ راگ الاپ رہے ہیں: "جعد بن درہم نے اس کی طرف

سے قربانی کا جانور ذبح کیا تھا۔'' سبحان اللہ!

سرزمین حجاز اور کوفہ کے امیر خالد القسری کے بارے میں حافظ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے لکھا ہے: اس نے اضحیٰ والے دن کہا: ''**ضحوا تقبل اللّٰہ منکم فإني مضح با لجعد بن درهم ، زعم أن اللّٰہ لم یتخذ إبر اهیم خلیلاً** '' **إلخ.**

(لوگو) تم قربانیاں کرو، اللہ تمہاری قربانیاں قبول کرے میں جعد بن درہم کی قربانی کرنے والا ہوں کیونکہ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل نہیں بنایا تھا۔

(سیر اعلام النبلاء ۴۳۲/۵)

یہ مشہور قصہ ثابت ہو یا نہ ہو، کوثری کی عبارت میں یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ جعد بن درہم نے خالد کی طرف سے کوئی قربانی کی ہو۔ اگر عبدالقدوس قارن کو عربی نہیں آتی تو میزان الاعتدال (ج ا ص ۳۹۹ ت ۱۴۸۲) کی طرف ہی رجوع کر لیا ہوتا، جس میں لکھا ہوا ہے: ''**فقتل علی ذلك بالعراق یوم النحر**'' پس وہ (جعد بن درہم) اس (غلط عقیدے کی وجہ سے) عراق میں، قربانی والے دن قتل ہو گیا۔ **ألیس منکم رجل رشید ؟**

تنبیہ: خالد القسری کا اپنی ماں کے لئے کنیسہ (گرجا) بنانا ثابت نہیں ہے۔

[فتاویٰ علمیہ: ۲/ ۴۲۵]



اوجھڑی حلال ہے

مشہور ثقہ تابعی امام محمد بن المنکدر رحمہ اللہ سے روایت ہے:

دخلت على فلانة - بعض أزواج النبى ﷺ قد سماها و نسيت - قالت: دخل عليّ رسول الله ﷺ و عندى بطن معلق فقال:

((لو طبخت لنا من هذا البطن كذا و كذا))

قالت: فصنعناه فأكل و لم يتوضأ.

میں نبی ﷺ کی بیویوں میں سے فلانی کے پاس گیا۔ انھوں (محمد بن المنکدر ر) نے نام بیان کیا تھا، لیکن میں (عمارہ بن زاذان) بھول گیا۔ انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس اوجھڑی (وغیرہ) تھی جو لٹک رہی تھی۔ پھر آپ نے فرمایا: ''اگر تم اس اوجھڑی میں سے ہمارے لئے کچھ اس طرح اس طرح پکا دو۔'' انھوں نے فرمایا: پھر میں نے ایسا ہی کیا (یعنی اوجھڑی پکا لی) تو آپ ﷺ نے (اسے) کھایا، اور (دوبارہ) وضو نہیں کیا۔

(شرح معانی الآثار ۱/۱۰۳، وسندہ حسن، عمارہ بن زاذان حسن الحدیث ھاھنا وثقہ الجمھور، نخب الافکار للعینی: ۲/ ۲۵، ۲۶، نسخہ اخریٰ: ۱/ ۳۸۷۔ ۳۸۸ وقال: ''إسنادہ صحیح'') [ماہنامہ اشاعۃ الحدیث حضرو، شمارہ ۹۳ صفحہ ۲۷]

---

① علامہ عینی ''بطن معلق'' کی شرح میں فرماتے ہیں: ''وأراد بالبطن ما يحتوي عليه البطن من الأحشاء'' اور بطن سے پیٹ کے ساتھ ملی اوجھڑی وغیرہ مراد ہے۔ (نخب الافکار: ۱/ ۳۸۸)
علامہ عینی کی اسی توضیح کو مدنظر رکھتے ہوئے بطن کا ترجمہ اوجھڑی کیا گیا ہے۔

قربانی کے جانور میں عقیقہ شامل کرنا؟

سوال کیا کوئی شخص اپنے بیٹے کے عقیقے کے لئے دو بکرے یا بھیڑ ذبح کرنے کے بجائے عیدالاضحیٰ کے موقع پر گائے میں سات قربانیوں کے حصوں میں دو حصے عقیقہ کے شامل کرسکتا ہے؟

الجواب مسنون یہی ہے کہ عقیقہ میں بکری (بکرا) اور بھیڑ (نر یا مادہ) ذبح کئے جائیں۔ گائے یا اونٹ وغیرہ کا عقیقہ میں ذبح کرنا ثابت نہیں ہے چہ جائیکہ اسے حصوں میں تقسیم کیا جائے جس روایت میں ہے کہ ((فليعق عنه من الإبل أو البقر أو الغنم)) یعنی اس کی طرف سے اونٹ، گائے اور بکریاں، عقیقہ میں ذبح کی جاسکتی ہیں۔

(المعجم الصغیر للطبرانی ۸۴/۱)

اس کی سند مسعدہ بن الیسع وغیرہ کی وجہ سے موضوع وباطل ہے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے بچے کی طرف سے ایک اونٹ بطور عقیقہ ذبح کریں تو انھوں نے فرمایا: "معاذ الله! ولكن ما قال رسول الله ﷺ: شاتان مكافاتان" یعنی میں (اس بات سے) اللہ کی پناہ چاہتی ہوں لیکن (میں وہ کروں گی) جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ دو بکریاں کافی ہیں۔

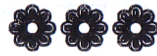
(السنن الکبریٰ للبیہقی ج۹ ص۳۰۱ وسندہ حسن، تحفۃ الاخیار ۴۲۸/۶ ح۲۵۱۶ وسندہ حسن، مشکل الآثار للطحاوی ۶۸/۳ ح۱۰۴۲، وسندہ حسن، الکامل لابن عدی ۱۹۶۲/۵، دوسرا نسخہ ۱۵/۷)

اس روایت سے کئی مسائل ثابت ہوتے ہیں مثلاً:

(الف) گائے اور اونٹ وغیرہ کو بطورِ عقیقہ ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

(ب) قرآن وحدیث کو تمام آراء وفتاویٰ پر ہمیشہ ترجیح حاصل ہے۔ بلکہ ہر وہ رائے اور فتویٰ جو قرآن وحدیث کے خلاف ہے مردود ہے۔

(ج) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عظیم فضیلت اس سے ثابت ہے کیونکہ آپ اتباع سنت میں بہت سختی کرنے والی تھیں۔ [فتاویٰ علمیہ:۱/۶۴۰،۶۴۷]



قربانی ایک علاقے سے دوسرے علاقے بھیجنا؟

سوال ایک ملک میں رہنے والا دوسرے ملک کو اپنی زکوٰۃ کی رقم بھیج سکتا ہے یا اپنی قربانی دوسرے ملک میں کرواسکتا ہے؟ (واضح رہے کہ ملکوں کی کرنسی کے نرخ میں کافی فرق ہوتا ہے) اسی طرح ایک شہر سے دوسرے شہر یا علاقے کو زکوٰۃ اور قربانی بھیج سکتا ہے؟

الجواب بغیر شرعی عذر کے ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے میں زکوٰۃ نہ بھیجیں۔ ((تؤ خذ من أغنیاء ھم و ترد علٰی فقرائھم)) ان کے امیروں سے لے کر ان کے غریبوں کو زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری:۱۳۹۵، صحیح مسلم:۱۹)

دوسرے ملکوں میں قربانی بھیجنے کا ثبوت مجھے معلوم نہیں ہے۔

[فتاویٰ علمیہ:۱/۶۴۰،۶۴۷]



دورانِ حج لاعلمی میں قربانی میں تقدیم یا تاخیر کرنا

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ العَاصِ رضی اللہ عنہ أَنَّہُ قَالَ :وَقَفَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ فِي حَجَّۃِ الْوَدَاعِ بِمِنًی لِلنَّاسِ فَجَاءُ وْا یَسْأَلُوْنَہُ فَجَاءَ ہُ رَجُلٌ فَقَالَ :یَا رَسُولَ اللّٰہِ !لَمْ أَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ أَنْ أَذْبَحَ فَقَالَ :((اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ)) فَجَاءَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ :یَارَسُولَ اللّٰہ !لَمْ أَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ أَنْ أَرْمِيَ . فَقَالَ لَہُ:((ارْمِ وَلَا حَرَجَ)). قَالَ:فَمَا سُئِلَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ إِلَّا قَالَ : ((افْعَلْ وَلَا حَرَجَ)).

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ

منیٰ میں لوگوں کے لئے کھڑے ہوئے تو لوگ آپ کے پاس مسائل پوچھنے آئے۔ایک آدمی نے آکر کہا: یا رسول اللہ! مجھے پتا نہیں تھا، میں نے (قربانی) ذبح کرنے سے پہلے سر منڈوالیا تو آپ نے فرمایا: (قربانی) ذبح کرلے اور کوئی حرج نہیں ہے۔پھر دوسرا آدمی آیا اور کہا: یا رسول اللہ! مجھے پتا نہیں تھا، میں نے (جمرات کو) کنکریاں مارنے سے پہلے قربانی ذبح کرلی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کنکریاں مارلے اور کوئی حرج نہیں ہے۔(عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: (اس دن) رسول اللہ ﷺ سے جس چیز کے بارے میں (بھی) پوچھا گیا جس میں تقدیم و تاخیر ہوگئی تھی تو آپ نے یہی جواب دیا کہ کرلو اور کوئی حرج نہیں ہے۔

تحقیق صحیح

صرح ابن شهاب بالسماع عند البخاری (۱۷۳۸)

تخریج متفق علیه

الموطأ (روایة یحییٰ ۱/۴۲۱ ح ۹۷۰، ک ۲۰ ب ۸۱ ح ۲۴۲) التمهید ۷/۲۶۴ وقال: "هذا حدیث صحیح" الاستذکار: ۹۱۱ ☆ وأخرجه البخاری (۸۳، ۱۷۳۶) ومسلم (۱۳۰۶) من حدیث مالک به.

تفقه

① اگر لاعلمی کی وجہ سے کنکریاں مارنے یا قربانی کرنے میں کوئی تقدیم و تاخیر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اور کوئی دم (بکری ذبح کرنا) واجب نہیں ہے۔

② علم ہونے کے بعد اگر کوئی لازمی عمل ترک ہو گیا تو دم دینا پڑے گا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"من نسي من نسكه شيئاً أو تركه فليهرق دماً"

جو شخص اپنے حج و عمرہ سے کوئی (لازمی) عمل بھول جائے یا ترک کردے تو اس شخص پر دم ہے یعنی اسے بکری ذبح کرکے مساکینِ حرم میں تقسیم کرنی پڑے گی۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۳۰ وسندہ صحیح، الموطأ للامام مالک ۱/۴۱۹ ح ۹۶۸ وسندہ صحیح)

③ ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی حاجی قربانی والے دن (۱۰ ذوالحجہ) شام سے پہلے طواف نہ کرسکے تو اس پر (احرام کی) ساری پابندیاں دوبارہ لوٹ آئیں گی یعنی اسے طوافِ زیارت تک دوبارہ احرام باندھنا پڑے گا۔

دیکھئے سنن ابی داود (۱۹۹۹) وسندہ حسن وصححہ ابن خزیمہ (۲۹۵۸)

⑦ حج وعمرے کے تفصیلی مسائل کے لئے میری (مترجم ومحقق) کتاب ''حاجی کے شب و روز'' دیکھیں۔ [موطا روایۃ ابن القاسم، ص ۱۴۸۔۱۴۹]



اونٹ کی قربانی گائے کی قربانی سے افضل ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ((مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غُسْلَ الْجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْأُوْلَى فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الْخَامِسَةِ فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ حَضَرَتِ الْمَلَائِكَةُ يَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ.))

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی جمعہ کے دن غسل جنابت کرے پھر پہلے وقت میں (نمازِ جمعہ کیلئے) جائے تو گویا اس نے اونٹ کی قربانی پیش کی اور جو دوسرے وقت میں جائے تو گویا اس نے گائے کی قربانی پیش کی اور جو تیسرے وقت میں جائے تو گویا اس نے سینگوں والے مینڈھے کی قربانی پیش کی اور جو چوتھے وقت میں جائے تو گویا اس نے ایک مرغی قربان کی اور جو پانچویں وقت میں جائے تو گویا اس نے ایک انڈا بطورِ قربانی پیش کیا پھر جب امام (خطبے کے لئے) نکلتا ہے تو فرشتے (رجسٹر بند کر کے خطبہ) ذکر سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

تحقیق سنده صحیح

تخریج متفق علیه

الموطأ (روایۃ یحییٰ ۱/۱۰۱ ح ۲۲۳، ک ۵ ب ۱ ح ۱) التمہید ۲۲/۲۱، ۲۲، الاستذکار: ۱۹۵

☆ وأخرجه البخاري (۸۸۱) ومسلم (۸۵۰) من حديث مالك به .

تفقہ

① جمعہ کے دن غسلِ جنابت جیسا غسل کرنا انتہائی افضل ہے۔

دیکھئے حدیث سابق فی اتحاف الباسم: ۲۰۴، ۲۷۱

② نمازِ جمعہ کے لئے اول وقت مسجد جانا بڑے ثواب کا کام ہے۔

③ اس حدیث میں خطبے کو ذکر کہا گیا ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ خطبہ نماز نہیں بلکہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کا نام ہے لہٰذا عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی خطبہ کہنا جائز ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے شیخ ابو عمر عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ کی کتاب "روح الخطبہ"۔

④ اونٹ کی قربانی گائے کی قربانی سے افضل ہے اور گائے کی قربانی مینڈھے کی قربانی سے افضل ہے۔ واللہ اعلم

⑤ اللہ کے راستے میں معمولی چیز بطورِ صدقہ پیش کرنے سے بھی حسبِ نیت ثواب ملے گا۔

⑥ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص عین نماز کے وقت مسجد آتا ہے اور خطبۂ جمعہ سننے سے قاصر رہتا ہے تو وہ درج بالا اجر وثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔

⑦ انڈے کی قربانی سے مراد کسی غریب مسکین کو بطورِ تحفہ یا صدقہ انڈا پیش کرنا ہے۔

⑧ حلال پرندے کا انڈا حلال ہے۔

[موطا روایۃ ابن القاسم، ص ۵۰۷، ۵۰۸]



از حافظ معاذ بن زبیر علی زئی

متفرقات

کچے گوشت کو ہاتھ لگ جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا:

حدثنا محمد بن العلاء وأيوب بن محمد الرقي وعمرو بن عثمان الحمصي - المعنى - قالوا: حدثنا مروان بن معاوية، أخبرنا هلال بن ميمون الجهني، عن عطاء بن يزيد الليثي - قال هلال: لا أعلمه إلا عن أبي سعيد، وقال أيوب وعمرو: أراه - عن أبي سعيد أن النبي ﷺ مر بغلام وهو يسلخ شاة، فقال له رسول الله ﷺ: ((تنح حتى أريك)) فأدخل يده بين الجلد واللحم، فدحس بها حتى توارت إلى الإبط، ثم مضى فصلى للناس ولم يتوضأ.

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک بکری کے پاس سے گزرے جو کہ (ذبح کرنے کے بعد) ایک بکری کی کھال اُتار رہا تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''پیچھے ہٹ جاؤ، میں تجھے (کھال اُتارنے کا) طریقہ بتاتا ہوں۔'' تو آپ ﷺ نے گوشت اور جلد کے درمیان اپنا ہاتھ داخل کیا اور دھکا دے کر ہاتھ (جلد میں) گھسایا، حتی کہ بغل تک ہاتھ اندر چلا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی۔

(سنن ابی داود: ۱۸۵، سنن ابن ماجہ: ۳۱۷۹، ابن حبان: ۳/ ۴۳۸ ح ۱۱۶۳، وسندہ صحیح)

والد محترم رحمہ اللہ دروس ابی داود میں فرماتے ہیں:

۱: ''سَلَخَ یَسْلُخُ'' کھال اُتارنے کو کہا جاتا ہے۔

۲: رسول اللہ ﷺ کتنے بہترین معلم ہیں، صحابی فرماتے ہیں: ''ما رأيت معلمًا قبله ولا بعده أحسن تعليمًا منه'' میں نے آپ جیسا بہترین تعلیم دینے والا معلم نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں۔ (صحیح مسلم: ۵۳۷)

۳: وہ بچہ تھا، اسے کھال اُتارنے کا طریقہ نہیں آتا ہوگا۔ جسے طریقہ نہ آئے تو کٹ لگ جاتا ہے۔ کبھی اپنا ہاتھ زخمی کر دیتا ہے، کبھی چمڑے کو یا گوشت کو کٹ لگ جاتا ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھیں طریقہ دکھاتا ہوں۔

۴: اللہ کے رسول ﷺ کی طاقت بہت زیادہ تھی۔

۵: آپ ﷺ کا نہ ہاتھ دھونا ثابت ہے نہ ہی وضو کرنا ثابت ہے۔ پانی کو چھوا ہی نہیں۔

۶: دو راوی اس روایت کو مرسل بیان کرتے ہیں، جو متصل بیان کرتا ہے اسے شک ہو گیا کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنی ہے یا نہیں۔ تاہم اس روایت کے شواہد بھی ہیں، جس کے ساتھ یہ بھی صحیح ہو جاتی ہے۔

۷: اس حدیث سے باب کے تحت وہ مسئلہ ثابت ہو گیا کہ اگر کچے گوشت کو ہاتھ لگ جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ ہاتھ دھونے بھی ضروری نہیں اگرچہ دھونا بہتر ہیں کیونکہ بعض اوقات ہاتھوں پر خون بھی لگ جاتا ہے، چکناہٹ بھی لگ جاتی ہے۔



قصائی کو بطور اُجرت رقم دینا:

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ آپ کے قربانی کے اونٹوں کی نگرانی کروں اور (قربانی کے بعد) ان کی جھولیں اور کھالیں تقسیم کر دوں، ذبح کرنے والے کو ان میں سے کوئی چیز بھی (اُجرت میں) نہ دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم اسے اُجرت اپنی طرف سے (یعنی مال و دولت کی صورت میں) دیں گے۔''

(مسند الحمیدی:۴۱)

تحقیق سندہ صحیح

تخریج متفق علیہ

اسے بخاری (۱۷۱۶ب) مسلم (۱۳۱۷[۳۱۸۱]) اور ابن عبد البر (التمہید ۲/۱۱۲ من حدیث الحمیدی) نے بھی روایت کیا ہے۔

تفقہ [از شیخ ندیم ظہیر حفظہ اللہ]

① قربانی کے جانور ذبح یا نحر کرنے کے لیے کسی کو نائب مقرر کرنا جائز ہے۔

② قربانی کے جانور خود ذبح کرنا مستحب ہے۔

③ قربانی کے جانور کی کھال اور جھول وغیرہ غرباء ومساکین میں تقسیم کر دینی چاہیں۔

④ کھال وجھول بطورِ اُجرت قصائی کو دینا جائز نہیں ہے۔

⑤ قصائی کو بطورِ اُجرت روپے پیسے دینا جائز ہے۔



عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کرنے کے بعد ناخن کاٹے جائیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کا ارادہ کرے تو اسے اپنے بال اور ناخن تراشنے سے رُک جانا چاہیے۔ (صحیح مسلم:۱۹۷۷)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قربانی کرنے والے شخص کو یکم ذوالحجہ سے لے کر قربانی کرنے تک اپنے بال نہیں کاٹنے چاہئیں اور ناخن نہیں تراشنے چاہئیں۔

اگر کسی کا ناخن ٹوٹ جائے یا ایسی خرابی ہو جائے کہ ناخن تراشنا ضروری ہو تو پھر ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ اجماع سے ثابت ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا: اگر مجھے صرف مادہ جانور (دودھ دینے والا) قربانی کے لئے ملے تو کیا میں اس کی قربانی کر لوں؟

آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن تم ناخن اور بال کاٹ لو، مونچھیں تراش لو اور شرمگاہ کے بال مونڈ لو تو اللہ کے ہاں یہ تمھاری پوری قربانی ہے۔ (سنن ابی داود:۲۷۸۹ وسندہ حسن)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قربانی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ اگر یکم ذوالحجہ سے لے کر نمازِ عید تک بال نہ کٹوائے اور ناخن نہ تراشے تو اسے پوری قربانی کا ثواب ملتا ہے۔ سبحان اللہ [دیکھئے یہی کتاب: ص ۸، ۹]

اگر قربانی کا ارادہ رکھنے والا کوئی شخص ناخن یا بال کٹوا دے اور پھر قربانی کرے تو اس کی قربانی ہو جائے گی لیکن وہ گناہگار ہوگا۔ (الشرح الممتع علی زاد المستقنع لابن عثیمین ۳/۴۳۰)

[دیکھئے یہی کتاب: ص ۱۲، ۲۱]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إذا رأيتم هلال ذی الحجة و أراد أحدكم أن يضحّي فليمسك عن شعره و أظفاره)) جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو اسے بال اور ناخن تراشنے سے رُک جانا چاہئے۔ (صحیح مسلم: ۱۹۷۷، ترقیم دارالسلام: ۵۱۱۹)

اس حدیث میں ''ارادہ کرے'' سے ظاہر ہے کہ قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

دیکھئے المحلّی لابن حزم (۷/۳۵۵ مسئلہ: ۹۷۳)

درج بالا حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قربانی کا ارادہ رکھنے والے کے لئے ناخن تراشنا اور بال مونڈنا منڈوانا، تراشنا تر شوانا جائز نہیں ہے۔ [دیکھئے یہی کتاب: ص ۱۴]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: آپ کا کیا خیال ہے، اگر مجھے صرف مادہ قربانی (دودھ دینے والا جانور) ملے تو کیا میں اس کی قربانی کر دوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، لیکن تم ناخن اور بال کاٹ لو، مونچھیں تراشو اور شرمگاہ کے بال مونڈ لو تو اللہ کے ہاں تمھاری یہ پوری قربانی ہے۔

(سنن ابی داود: ۲۷۸۹ وسندہ حسن، وصححہ ابن حبان، الموارد: ۱۰۴۳، والحاکم ۴/۲۲۳ والذہبی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص قربانی کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو، وہ اگر ذوالحجہ کے چاند سے لے کر نمازِ عید سے فارغ ہونے تک بال نہ کٹوائے اور ناخن نہ تراشے تو اسے قربانی کا ثواب ملتا ہے۔ [دیکھئے یہی کتاب: ص ۱۵، ۱۶]



قربانی کا جانور بیمار ہو جائے:

رسول اللہ ﷺ کے قربانی کے اونٹوں کے رکھوالے ناجیہ الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کہا: یارسول اللہ! اگر قربانی کے اونٹوں میں سے کوئی بیمار ہو جائے اور چلنے سے عاجز ہو تو میں کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے ذبح کردو پھر اس کے پاؤں کو اس کے خون میں ڈبو کر اس کے سینے پر نشان لگا دینا، پھر اسے لوگوں کے لیے چھوڑ دینا۔'' (مسند الحمیدی: ۸۸۲)

تحقیق سندہ صحیح

تخریج

اسے ابوداود (۱۷۶۲) ترمذی (۹۱۰ وقال: ''حدیث حسن صحیح'') اور حاکم (۱/ ۴۴۷، وصححہ الحاکم علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی) وغیرہم نے بھی روایت کیا ہے۔



قربانی سنت ہے:

تابعی امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''أَوْتَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَلَيْسَ عَلَيْكَ، وَضَحَّى وَلَيْسَ عَلَيْكَ، وَصَلَّى الضُّحَى وَلَيْسَ عَلَيْكَ، وَصَلَّى قَبْلَ الظُّهْرِ وَلَيْسَ عَلَيْكَ'' رسول اللہ ﷺ نے وتر پڑھا ہے اور یہ تجھ پر لازم نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے قربانی کی اور یہ تجھ پر واجب نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے چاشت کی نماز پڑھی، یہ تجھ پر ضروری نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے ظہر سے پہلے نماز پڑھی اور یہ تجھ پر لازم نہیں ہے۔ (مسند علی بن الجعد: ۹۴۵ وسندہ صحیح)

تاہم بہتر اور افضل یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کیا جائے اور تمام سنن ثابتہ کو اپنی زندگی میں اپنایا جائے۔ [اضواء المصابیح: ص ۴۳ ح ۱۴]



قربانی کے دن سب سے پہلے کلیجی پکا کر کھانا سنت ہے:

سیدنا بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

”أن رسول الله ﷺ كان لا يخرج يوم الفطر حتى يطعم، ولا يأكل يوم الأضحى حتى يرجع، فيأكل من كبد أضحيته“

رسول اللہ ﷺ عیدالفطر کی نماز کے لیے کھانے کے بغیر نہیں نکلتے تھے اور عیدالاضحیٰ کے دن کچھ نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ واپس آ کر اپنی قربانی (کے جانور) کی کلیجی کھاتے تھے۔

(فضائل الاوقات للبیہقی: ۲۱۵ وسندہ حسن، ثواب بن عتبہ: وثقہ الجمہور)

اس روایت کے راویوں کا تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: علی بن احمد بن عبدان:

رجسٹرڈ جماعت المسلمین کے موجودہ امیر اشتیاق احمد صاحب جہالت کی بلندیوں پر کھڑے ہو کر رقمطراز ہیں: ”علی بن احمد بن عبدان کون ہے معلوم نہیں۔“

(کیا خصی جانور کی قربانی جائز ہے؟ ص ۲۳)

اب اس راوی کی توثیق ملاحظہ فرمائیں:

خطیب بغدادی نے فرمایا: ”كان ثقة“ (تاریخ بغداد: ۹/ ۳۲۹ ت ۶۱۵۵)

عبدالغافر بن اسماعیل الفارسی نے فرمایا: ”المحدث ابن المحدث ...... وهو على الجملة من كبار المحدثين المكثرين سماعًا وروايةً“۔

(المنتخب من السیاق لتاریخ نیسابور: ص ۳۷۴ ت ۱۲۴۷)

ذہبی نے فرمایا: ”وكان ثقة“ (تاریخ الاسلام: ۲۸/ ۲۲۵)

۲: ابوالحسن احمد بن عبید بن اسماعیل الصفار:

نومولود رجسٹرڈ فرقہ کے موجودہ امیر اشتیاق صاحب جہالت کی انتہا کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”احمد بن عبید پر بھی کلام ہے صرف ابن حبان نے اپنی عادت کے مطابق ثقہ کہا

ہے(تہذیب)'' (کیا خصی جانور کی قربانی جائز ہے؟ ص ۲۳)

اشتیاق احمد کا مذکورہ بالا بیان جہالت کی انتہا اور صریح دروغ گوئی ہے۔امام ابن حبان نے نہ تو احمد بن عبید کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے اور نہ ہی کوئی فن اسماء الرجال اور تہذیب التہذیب کے حدود اربعہ کو جاننے والا صاحب علم اسے تہذیب میں تلاش کرسکتا ہے۔اشتیاق صاحب اس راوی کا ترجمہ اگر تہذیب ابن حجر اور ثقات ابن حبان میں دکھا دیں تو ہم اپنی اس کتاب کے دو نسخے تحفتاً بھیج دیں گے۔

خطیب بغدادی نے فرمایا:''كان ثقة ثبتًا صنف المسند وجوده''۔

(تاریخ بغداد:۴/ ۹۷ ت ۲۳۱۸)

ذہبی اور ابن عبدالہادی دونوں نے فرمایا:''الحافظ الثقة''۔

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی:۸۴۵،طبقات علماء الحدیث:۳/ ۶۸)

۳: ابومسلم ابراہیم بن عبداللہ بن مسلم بن ماعز بن المہاجر المعروف بالکجی وبالکشی:

دارقطنی نے فرمایا:''صدوق ثقة'' (تاریخ بغداد:۶/ ۱۲۳ ت ۳۱۵۱،وسندہ حسن)

موسیٰ بن ہارون نے فرمایا:''أبو مسلم الكشي ثقة'' (تاریخ بغداد:۶/ ۱۲۳ ت ۳۱۵۱،وسندہ صحیح)

خطیب بغدادی نے فرمایا:''وكان من أهل الفضل والعلم والأمانة''۔

(تاریخ بغداد:۶/ ۱۲۱ ت ۳۱۵۱)

عبدالغنی بن سعید الحافظ نے فرمایا:''ثقة نبيل'' (تاریخ بغداد:۶/ ۱۲۳ ت ۳۱۵۱،وسندہ صحیح)

سمعانی نے فرمایا:''كان من ثقات المحدثين وكبارهم''۔

(الانساب:۱۱/ ۵۰''الکجی'')

ابن ناصر الدین نے فرمایا:''وكان ثقةً نبيلًا أحد حفاظ عصره''۔

(التبیان لبدیعۃ البیان:۲/ ۸۰۹ رقم:۶۲۷)

۴: ابوعمرو مسلم بن ابراہیم الازدی الفراہیدی البصری:

ثقہ امام ہیں۔سمعانی نے فرمایا:''من الثقات المتقنين'' (الانساب:۱۰/ ۱۶۶''الفراہیدی'')

۵: ثواب بن عتبہ المہری البصری:

جمہور نے توثیق کی ہے۔

موثقین:

۱: ابن معین: "ثقة "۔

(تاریخ ابن معین روایۃ الدوری:۴/ ۱۳۵رقم:۳۵۶۵، ۴/ ۲۰۵رقم:۳۹۷۱، الجرح والتعدیل:۲/ ۴۷۱ وسندہ صحیح)

امام ابوالفضل عباس بن محمد الدوری نے فرمایا:

"سمعت يحيى يقول: ثواب بن عتبة شيخ صدق"۔

پھر امام ابوالفضل الدوری نے فرمایا:

"فإن كنت كتبت عن أبي زكريا فيه شيئًا أنه ضعيف فقد رجع أبوزكريا وهذا هو القول الأخير من قوله"

(تاریخ ابن معین روایۃ الدوری:۴/ ۲۷۲رقم:۴۳۳۳، الکامل لابن عدی:۲/ ۳۰۸)

یعنی یہ راوی امام ابن معین کے نزدیک صدوق حسن الحدیث ہے۔

۲: ابن القطان الفاسی: "وعندي أنه صحيح؛ لأن ثواب بن عتبة المهري، ثقة" (بیان الوہم والایہام:۵/ ۳۵٦)

۳: ابن حبان: ذکرہ فی الثقات (٦/ ۱۳۰) وروی لہ فی صحیحہ (الاحسان: ۲۸۱۲)

۴: ابن شاہین: ذکرہ فی تاریخ اسماء الثقات (۱۵۲) وقال: "ثقة، قاله يحيي"

۵: ابن خزیمہ: روی لہ (صحیح ابن خزیمہ:۱۴۲٦)

٦: ابن عدی: "ففي الحديثين اللذين يرويهما ثواب لا يلحقه ضعف" (الکامل:۲/ ۳۰۹)

۷: حاکم: قال فی حدیثہ: "صحيح الإسناد" (المستدرک:۱/ ۴۳۳ ح ۱۰۸۸)

نیز فرمایا: "وثواب بن عتبة المهري قليل الحديث ولم يجرح بنوع يسقط به

حدیثه وهذه سنة عزیزة من طریق الروایة مستفیضة فی بلاد المسلمین"

۸: ابن الملقن: "بأسانید صحیحة من روایة ثواب" (البدر المنیر: ۵/۷۱)

۹: ابوعلی الطّوسی: "أرجو أن یکون صالح الحدیث"۔

(تهذیب التهذیب ط دبئی: ۲/ ۴۸۱، ذکرہ فی الثقات کما فی اکمال للمغلطائی)

ذہبی: قال فی حدیثہ: "صحیح" (تلخیص المستدرک: ۱/ ۴۳۳ ح ۱۰۸۸)

ابن خلفون: نقل المغلطائی الجر وح أن ابن خلفون ذکرہ فی الثقات وقال: "أرجو أن یکون صالح الحدیث"۔

جارحین:

۱: عجلی: "یکتب حدیثه، ولیس بالقوی" (تاریخ الثقات: ۱۸۹)

۲: ابوحاتم الرازی: أنکر توثیق ابن معین (الجرح والتعدیل: ۲/ ۴۷۱)

کما قال الذهبی فی المیزان: "وقد أنکر أبو حاتم وأبو زرعة توثیقه".

(میزان الاعتدال: ۱/ ۳۷۳ رقم: ۱۴۰۱)

۳: ابوزرعہ الرازی: أنکر توثیق ابن معین (الجرح والتعدیل: ۲/ ۴۷۱)

معاصر عالم عبداللہ بن یوسف الجدیع نے کہا: "یظهر لي أنهما أنکرا ما فی الکتاب من توثیق یحیی، لعلمهما أن الدوری إنما سمع من یحیی تضعیفه، کما یدل علیه قوّل الدوری فی موضع آخر......"۔

(تحریر علوم الحدیث: ۱/ ۵۳۴)

۴: محمد بن طاہر المقدسی: "وثواب یعرف بهذا الحدیث، وهو ضعیف"

(ذخیرۃ الحفاظ: ۱۶۰۷)

محمد بن طاہر المقدسی کے بقول ابن عدی نے "لا یلحقه ضعف" کہا ہے لہٰذا محمد بن طاہر المقدسی کو غلطی لگی ہے، واللہ اعلم۔

ذہبی: "فیه لین" (الکاشف: ۷۲۰) لیکن اس راوی کی روایت کو صحیح بھی کہا۔ لہٰذا ذہبی کی

توثیق وجرح ساقط ہے۔

ابن حجر: "مقبول" (تقریب التہذیب: ۸۵۷) جب توثیق ثابت ہو جائے تو جہالت کوئی جرح نہیں ہے۔

۶: عبداللہ بن بریدہ الاسلمی:

ثقہ اور بڑے محدث تھے۔ (تقریب: ۳۲۲۷ وقال: "ثقة")

۷: بریدہ بن الحصیب الاسلمی رضی اللہ عنہ:

صحابی ہیں، ۶۲ھ کو فوت ہوئے۔



قبولیتِ اعمال کی شرائط:

قربانی کرنے والے کا صحیح العقیدہ مسلمان و متبعِ کتاب و سنت ہونا اور شرک، کفر و بدعات سے پاک ہونا ضروری ہے اور جس کا عقیدہ خراب ہو، اس کا کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہے۔ حدیث قدسی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"أنا أغنى الشركاء عن الشرك ، من عمل عملا أشرك فيه معي غيري ، تركته وشركه"

میں اپنے شریکوں کی شراکت اور حصہ داروں سے بالکل بے نیاز ہوں۔ جس نے کوئی ایسا کام کیا جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کیا تو میں اس (عمل) اور اس (میں کیے جانے والے) شرک دونوں کو چھوڑ دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم: ۲۹۸۵)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

جس کسی نے ایسا عمل کیا کہ جس کا حکم ہم نے نہیں دیا اس کا وہ عمل مردود ہے۔ (صحیح مسلم: ۱۷۱۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَنْ أَحْدَثَ فِي دِينِنَا مَا لَيْسَ فِيهِ فَهُوَ رَدٌّ))

جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات (بدعت) نکالی تو وہ مردود ہے۔

(جزء فیہ من حدیث لوین: ۱۷ وسندہ صحیح، شرح السنۃ للبغوی ۱/۲۱۱ ح ۱۰۳)

فتح مکہ کے روز آپ ﷺ نے جو خطبہ دیا اُس میں یہ الفاظ بھی تھے:

((مَنْ أَحْدَثَ حَدَثًا أَوْ آوَى مُحْدِثًا؟ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ))

جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرے، یا کسی بدعتی کو پناہ دے، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اُس سے نہ تو فرض عبادت قبول کی جاتی ہے اور نہ نفل عبادت۔

(مسند مسدد/ اتحاف الخيرة المهرة ۷/ ۲۸۱، ۲۸۲ ح ۶۸۵۰ ونسخة الثانية المطبوعة علىٰ هامش المطالب العالية ۵/ ۵۳۹ ح ۶۸۵۰، وسنده حسن، وقال البوصيري: هذا الإسناد رواته ثقات)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ قنوتِ نازلہ میں پڑھتے تھے:

"نخلع ونترك من يفجرك"

اے اللہ! جو بھی تیری معصیت و نافرمانی کرے ہم اُس سے علیحدگی اور کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۲۱۰، ۲۱۱ وسندہ صحیح)

مشہور ثقہ وثبت امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ (المتوفی ۱۸۷ھ) اہل بدعات کے بارے میں فرماتے ہیں:

"لأن آكل عند اليهودی والنصرانی أحب إلی من أن آكل عند صاحب بدعة فإنی إذا أكلت عندهما لا يقتدی بی وإذا أكلت عند صاحب بدعة اقتدی بی الناس ، أحب أن يكون بينی وبين صاحب بدعة حصن من حديد ، وعمل قليل فی سنة خير من عمل صاحب بدعة ومن جلس مع صاحب بدعة لم يعط الحكمة ومن جلس إلی صاحب بدعة فاحذره، وصاحب بدعة لا تأمنه علی دينك ولا تشاوره فی أمرك ولا تجلس إليه ، فمن جلس إليه ورثه الله عز وجل العمی ."

اگر میں کسی یہودی یا نصرانی کے پاس کھانا کھاؤں تو مجھے یہ بات اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی بدعتی کے پاس کھانا کھاؤں کیوں کہ جب میں کسی یہودی یا نصرانی کے پاس کھانا کھاؤں گا تو لوگ میری اقتداء نہیں کریں گے جب میں کسی بدعتی کے پاس کھانا کھاؤں گا تو لوگ میری اقتداء کریں گے۔ میں یہ بات پسند کرتا ہوں کہ میرے اور اہل بدعات کے درمیان لوہے کا قلعہ ہو، سنت کے مطابق تھوڑا عمل بدعتی کے زیادہ عمل سے زیادہ بہتر ہے۔ جو کسی بدعتی کے ساتھ نشت و برخاست رکھتا ہے اُسے حکمت نہیں عطا کی جاتی۔ جو شخص کسی بدعتی کے پاس نشت و برخاست رکھے تُو اُس سے بچ جا اور تُو بدعتی سے اپنے دین کے بارے میں بے فکر مت ہونا اور نہ ہی بدعتی سے اپنے کسی معاملے میں مشورہ لینا اور نہ ہی اُس کے پاس اُٹھنا بیٹھنا۔ جو کسی بدعتی کے پاس اُٹھتا بیٹھتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے بصیرت سے محروم کر دیتا ہے۔ (حلية الأولياء ٨/ ١٠٣ وسنده صحيح)

امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

”علامة النفاق أن يقوم الرجل ويقعد مع صاحب بدعة . وأدركت خيار الناس كلهم أصحاب سنة وهم ينهون عن أصحاب البدعة“

نفاق کی علامت یہ ہے کہ آدمی کسی بدعتی کے ساتھ اُٹھے بیٹھے، میں نے خیر والے تمام اہل سنت کو پایا ہے کہ وہ اہل بدعات کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع کرتے تھے۔

(حلية الأولياء ٨/ ١٠٤ وسنده صحيح)

ثقہ وثبت محدث امام ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی رحمہ اللہ (المتوفی ٥١٦ھ) فرماتے ہیں:

”وقد مضت الصحابة والتابعون وأتباعهم وعلماء السنة على هذا مجمعين متفقين على معاداة أهل البدعة ومهاجرتهم“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تابعین و تبع تابعین، ائمہ دین، علماء اہل سنت اہل الحدیث کا اہل بدعات سے نفرت کرنے پر اور ان سے لاتعلقی کرنے پر اجماع و اتفاق تھا۔ (شرح السنۃ ١/ ٢٢٧ مفہوماً)

قرآن، حدیث اور اجماع کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہر وقت اپنے ایمان و عمل کا خاص خیال رکھیں۔

قاضی شریح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے قاضیوں کی طرف یہ خط ارسال کیا:

"إذا جاء ك شيء في كتاب اللّٰه فاقض به، ولا يلفتنك عنه الرجال، فإن جاءك أمر ليس في كتاب اللّٰه فانظر سنة رسول اللّٰه ﷺ فاقض بها، فإن جاءك ما ليس في كتاب اللّٰه، وليس فيه سنة من رسول اللّٰه ﷺ، فانظر ما اجتمع الناس عليه فخذ به، فإن جاءك ما ليس في كتاب اللّٰه، ولم يكن فيه سنة من رسول اللّٰه ﷺ، ولم يتكلم فيه أحد قبلك فاختر أي الأمرين شئت: إن شئت أن تجتهد برأيك وتقدم فتقدم، وإن شئت أن تتأخر فتأخر، ولا أرى التأخر إلا خيرا لك".

جب تیرے پاس کوئی مسئلہ آئے اگر وہ کتاب اللہ میں ہو تو اسی کے مطابق فیصلہ کر، لوگوں کی آراء کی طرف توجہ نہ کر اور جب تیرے پاس کوئی ایسا مسئلہ آئے جو کتاب اللہ میں نہ ہو تو پھر تُو دیکھ کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کیا ہے۔ پھر سنت کے مطابق فیصلہ کرنا اور اگر تیرے پاس کوئی ایسا مسئلہ آئے جو نہ کتاب اللہ اور نہ سنت رسول ﷺ میں ہو تو پھر تُو دیکھ کہ لوگوں کا اجماع کس بات پر ہے۔ پھر اُسی (اجماع) کو بنیاد بنا لے اور جب تیرے پاس کوئی ایسا مسئلہ آئے، جو نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ ہی سنت رسول ﷺ میں ہو اور نہ ہی تجھ سے پہلے اس کے بارے میں کسی نے گفتگو کی ہو۔ تو پھر دو اُمور میں سے جسے چاہے پسند کر لے۔ اگر چاہے تو اپنی رائے سے اجتہاد کر لینا سو آگے بڑھنا اور اجتہاد کر لینا اور اگر چاہے تو پیچھے ہٹ جانا، اور پیچھے ہٹنے کو میں تیرے لیے بہتر سمجھتا ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۴/۵۴۴ ح ۲۲۹۸۰ وسندہ صحیح وصححہ ضیاء المقدسی فی الاحادیث المختارۃ ۱/۲۳۹ ح ۱۳۴)

❀❀❀

دوندے، چوگے اور چھگے کی قربانی:

خود ساختہ فہم کے پرچار کے داعی شیخوپورہ کے ایک ننھے محقق صاحب لکھتے ہیں:

"دو دانتے جانور کے علاوہ چار دانتے، چھ دانتے وغیرہ جانور کی قربانی سنت سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا چار دانتے اور چھ دانتے وغیرہ جانور کی قربانی نہیں کرنی چاہیے۔"

(کیا خصی جانور کی قربانی سنت ہے؟ ص ۵۸)

اس ننھے محقق خود ساختہ فہم کے پرچار کے داعی کے رد کے لیے درجہ ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیں:

۱: خلیفۂ راشد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ثنيًا فصاعدًا واستسمن"

قربانی کا جانور دوندا یا اس سے بڑی عمر کا ہونا چاہیے اور اسے کھلا پلا کر خوب فربہ (موٹا تازہ) کیجیے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/۲۷۳ وسندہ صحیح)

۲: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"فی الضحايا والبدن الثني فما فوقها"

قربانی میں دوندا یا اس سے بڑی عمر کا جانور ہونا چاہیے۔ (موطا امام مالک: ۱۰۷۰ وسندہ صحیح)

ان آثار سے معلوم ہوا "مسنہ" دوندا کی جو شرط ہے یہ کم از کم عمر کے لحاظ سے ہے، چوگا چھگا اور اس سے بھی بڑی عمر کے جانور اپنی باقی شرائط کے ساتھ بالاجماع جائز ہیں۔

۳: امام ابو الحسن ابن القطان الفاسی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۲۸ھ) فرماتے ہیں:

"وإجماع أنه يجزئ الثني فما فوقه وأنه لا يكون إلا من الأزواج الثمانية"

اور اس بات پر اجماع ہے کہ دوندا اور اس سے بڑی عمر کے جانوروں کی قربانی جائز ہے اور قربانی انھی آٹھ جوڑوں میں سے کسی کی ہونی چاہیے (جن کا ذکر قرآن میں ہے)۔

(الاقناع فی مسائل الاجماع ۲/ ۸۵۵ فقرہ: ۱۴۳۴، مراتب الاجماع لابن حزم ص ۱۵۳)

۴: امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وأجمعوا أن الثني فما فوقه يجزئ منها كلها“

اوراس پر علماء کا اجماع ہے کہ دوندا اور اس سے بڑی عمر کے تمام جانوروں کی قربانی جائز ہے۔ (الاستذکار ۴/ ۲۵۰)

۵: ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک رحمہ اللہ (المتوفی ۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

”لا يجوز من سائر الأزواج الثمانية من الأنعام إلا الثني فما فوقه، فثني البقر إذا كمل له سنتان ودخل فى الثالثة وثني الإبل إذا كمل له خمس سنين ودخل فى السادسة“

(بامر مجبوری بھیڑ کے جذعہ کے سوا) آٹھ جوڑوں میں سے کسی بھی کھیرے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ قربانی میں دوندا یا اس سے بڑی عمر کا جانور ہونا چاہیے۔ بیلوں میں سے دوندا وہ ہے جس کی عمر دو سال مکمل ہو چکی ہو اور تیسرے میں لگا ہو اور اونٹوں میں سے دوندا وہ ہے جس کی عمر پانچ سال مکمل ہو چکی ہو اور چھٹے سال میں ہو۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال ۶/ ۱۵)



قبرستان میں جان بوجھ کر جانور ذبح نہیں کرنا چاہیے:

سیدنا ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”نذر رجل على عهد رسول الله ﷺ أن ينحر إبلا ببوانة فأتى النبي ﷺ، فقال: إني نذرت أن أنحر إبلا ببوانة، فقال النبي ﷺ: هل كان فيها وثن من أوثان الجاهلية يعبد؟ قالوا: لا، قال: هل كان فيها عيد من أعيادهم؟، قالوا: لا، قال رسول الله ﷺ: أوف بنذرك، فإنه لا وفاء لنذر في معصية الله“.

نبی ﷺ کے زمانے میں ایک آدمی نے نذر مانی کہ وہ مقامِ بوانہ پر ایک اونٹ ذبح کرے گا، پھر وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: بے شک میں نے بوانہ (نامی جگہ) میں اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کا کوئی بت تھا کہ جس کی عبادت ہوتی رہی ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کیا نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا اس جگہ پر اُن کے میلے لگتے تھے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنی نذر پوری کر لے۔ بلاشبہ ایسی نذر کا کوئی پورا کرنا نہیں ہے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔ (سنن ابی داود: ۳۳۱۳ وسندہ صحیح)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ جگہ جہاں غیر اللہ کی عبادت، نذر و نیاز، پوجا پاٹ اور تقرب غیر اللہ کے اعمال وافعال سرانجام دیئے جاتے ہوں، وہاں قربانی اور ذبح سے بالکل بچنا چاہیے۔



کسی شرعی سبب کی وجہ سے عید کی نماز اکیلے پڑھنا:

ابوطرفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”أتینا المقدام بن معدی کرب وھو فی قریة علی أمیال یوم عید فقلنا اخرج فصل بنا العید قال: لا، صلوا فرادی“

ہم عید کے دن سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اس وقت وہ (شہر) سے کئی میل دور ایک گاؤں میں مقیم تھے۔ ہم نے انھیں کہا کہ آپ آئیں اور ہمیں نمازِ عید پڑھائیں۔ انھوں نے فرمایا: (جماعت کے ساتھ) نہیں بلکہ اپنے اپنے طور پہ نماز ادا کرو۔

(الآحاد والمثانی ۳۹۲/۴ ح ۲۴۳۷ وسندہ حسن لذاتہ، دوسرا نسخہ ص ۴۸۲، تاریخ دمشق ۲۶/ ۲۲۷، طبرانی کبیر ۲۶۲/۲۰ ح: ۶۱۸)

عباد بن الريان ابوطرفہ رحمہ اللہ کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ما علمت فيه جرحاً فهو صالح الحديث". (تاریخ الاسلام ۱۱۸/۹ ت:۲۴۲)



خصی جانور کی قربانی جائز ہے:

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأجمع الجمهور على أن لا بأس أن يضحى بالخصي [الأجم] إذا كان سمينًا"

اور جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ خصی جانور کی قربانی میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ موٹا تازہ ہو۔

(الاستذکار ۲۱۸/۵)



پیدائشی بغیر سینگ والے جانور کی قربانی:

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أن العلماء مجمعون على أن الجماء جائز أن يضحى بها"

بے شک علماء کا اس پر اجماع ہے کہ پیدائشی بغیر سینگوں والے جانور کی قربانی جائز ہے۔(الاستذکار ۲۱۸/۵)



جھوٹ ونفاق سے بچیں:

سیدنا معاویہ الہذلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"إن المنافق ليصلي فيكذبه الله عزوجل ويصوم فيكذبه الله عزوجل ويتصدق فيكذبه الله، ويجاهد فيكذبه الله ويقاتل فيقتل، فيجعل في النار."

بے شک منافق یقیناً (کبھی) نماز پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے جھٹلا دیتا ہے اور وہ روزہ رکھتا ہے تو اللہ اسے شرف قبولیت نہیں بخشتا اور وہ صدقہ خیرات کرتا ہے تو اللہ اسے قبول نہیں کرتا اور وہ جہاد کرتا ہے تو اللہ اسے قبول نہیں کرتا اور وہ لڑتا ہے یہاں تک کہ مارا جاتا ہے تو اللہ اسے جہنم میں داخل کر دیتا ہے۔ (صفۃ المنافق للفریابی ح ۴۴ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ بندے کو ہمہ وقت جھوٹ و نفاق سے دور رہتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں زندگی بسر کرنی چاہیے۔



قربانی کی کھالیں بیچنا اور قیمت صدقہ کرنا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من باع جلد أضحيته فلا أضحية له)) جس نے اپنی قربانی کی کھال بیچی تو اس کی کوئی قربانی نہیں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹/۲۹۴ ح ۱۹۲۳۳ وسندہ حسن، مستدرک حاکم: ۲/۳۸۹ وقال: ھذا حدیث صحیح)

اس سے مراد وہ مالدار شخص ہے جو کھال بیچ کر اس کی قیمت خود کھالیتا ہے اور اس بات کو کوئی حیثیت و اہمیت ہی نہیں دیتا بلکہ استخفاف و توہین کا مرتکب ہے۔ رہا وہ شخص جو بوجہ جہالت ایسا کرتا ہے تو وہ گناہگار ہے۔

عقبہ بن صہبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سألت ابن عمر رضي الله عنه عن رجل أهدى بقرة أيبيع جلدها ويتصدق بثمنه قال: لا بأس به."

میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جسے گائے تحفہ دی جاتی ہے کیا وہ اس کی کھال بیچ کر اس کی قیمت کو صدقہ کر سکتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ (مسند مسدد/ المطالب العالیہ ۶/ ۴۰۵ ح ۲۳۱۹، دوسرا نسخہ ۱۰/ ۴۶۵)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنا قربانی کا جانور کسی دوسرے شخص کو تحفے میں دے اور کہے کہ تُو قربانی کر لے تو یہ جائز ہے نیز قربانی کی کھال کو بیچ کر قیمت صدقہ کرنا بھی

جائز ہے۔



گائے کا دودھ اور گوشت:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن اللّٰہ تعالی لم ینزل داء إلا أنزل له شفاء إلا الهرم فعلیکم بألبان البقر فإنها ترم من کل شجر))

بے شک اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں اُتاری ہے کہ جس کی اس نے شفاء نازل نہ کی ہو سوائے بڑھاپے کے، سوتم گائیوں کے دودھ کو لازم پکڑو۔ کیونکہ یہ ہر جڑی بوٹی پر چرتی ہے۔ (مستدرک حاکم: ۴/ ۱۹۷ ح ۸۲۲۵ وسندہ صحیح)

مزید فرمایا: **((في ألبان البقر شفاء من کل داء))** گائیوں کے دودھ میں ہر بیماری کی شفا ہے۔ (مستدرک حاکم: ۴/ ۱۹۶ ح ۸۲۲۴ وسندہ حسن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی طرف سے گائیں ذبح کی تھیں۔

(صحیح بخاری: ۵۵۵۹، صحیح مسلم: ۱۲۱۱)



ایک اعتراض کا جواب:

ایک مشہور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أربع لا تجوز فی الأضاحي: العوراء بیّن عورها والمریضة بیّن مرضها والعرجاء بیّن ظلعها والکسیر التي لا تنقي.))

(سنن ابی داود: ۲۸۰۹، حدیث کے ترجمہ کے لیے دیکھئے یہی کتاب ص ۱۱۷)

عصر حاضر کے ایک معترض نے اس روایت کو "اسنادہ ضعیف" قرار دیا۔ دیکھئے ان کا مضمون "خصی جانور کی قربانی سنت نہیں" (ص ۴) یہی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ "اس حدیث کی تضعیف پر امام علل ورجال علی بن عبداللہ المدینی اور امام المحدثین امام بخاری اور دیگر

محدثین کے اقوال کو راقم اپنی نئی کتاب: خصی جانور کی قربانی سنت نہیں، میں تفصیلی دلائل کے ساتھ ذکر کروں گا، ان شاء اللہ۔ لہٰذا اب یہ حدیث اصول حدیث و محدثین ضعیف ہے۔"

الجواب معترض مذکور کے مزعوم تفصیلی دلائل کا جواب بشرط صحت و فرصت اُن کی کتاب شائع ہونے پر ہی دیا جائے گا، ان شاء اللہ۔ مختصراً عرض ہے کہ اس روایت کو درج ذیل ائمہ محدثین نے صحیح قرار دیا ہے:

۱: امام ابن خزیمہ (۲۹۱۲)

۲: امام ترمذی (۱۵۷۲) وقال: "ھذا حدیث حسن صحیح"

۳: امام ابن الجارود (المنتقی: ۵۲۹، ۹۷۵)

۴: امام ابن حبان (الاحسان: ۵۹۲۲)

۵: امام حاکم (المستدرک: ۱/ ۴۶۸ ح ۱۷۱۸) وقال: "ھذا حدیث صحیح"

۶: ووافقہ الامام الذہبی

۷: امام بغوی (شرح السنۃ: ۴/ ۳۴۰ ح ۱۱۲۸) وقال: "ھذا حدیث صحیح"

۸: امام نووی (شرح صحیح مسلم: ۱۳/ ۱۲۰) وقال: "صحیح"

۹: امام ابن الملقن (البدر المنیر: ۹/ ۲۸۶) وقال: "ھذا الحدیث صحیح ...... وھو حدیث عظیم"

سر دست اتنا ہی کافی ہے، ان کے علاوہ مزید ائمہ محدثین کی تصحیح بھی تلاش کی جا سکتی ہے۔

اس حدیث کے بارے میں امام علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالرحمٰن الدمشقی کا عبید بن فیروز سے سماع نہیں ہے۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹/ ۲۸۴)

اس حدیث کی علل کو درج ذیل نقاط میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱: امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ اور امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کا اختلاف

۲: امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے تلامذہ کا اختلاف

اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ اور امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کا اختلاف:

امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ اس کی سند بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سمعت سليمان بن عبد الرحمن قال: سمعت عبيد بن فيروز قال: قلت للبراء بن عازب"

(سنن ابن ماجہ: ۳۱۴۴ وسندہ صحیح، مسند احمد: ۴/۲۸۴ ح ۱۸۵۱۰، مسند علی بن الجعد: ۸۷۳، مسند ابوداود الطیالسی: ۲/۲۱۱ ح ۷۸۵، وغیرہ)

اس صحیح سند سے بالکل عیاں ہے کہ سلیمان بن عبدالرحمٰن نے یہ روایت عبید بن فیروز سے سنی ہے۔ جب امام لیث بن سعد رحمہ اللہ اسے بیان کرتے ہیں تو امام شعبہ رحمہ اللہ کے برعکس سلیمان بن عبدالرحمٰن اور عبید بن فیروز کے درمیان قاسم ابوعبدالرحمٰن کا واسطہ ذکر کرتے ہیں۔

لیث بن سعد رحمہ اللہ کے تلامذہ کا اختلاف:

امام لیث رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے ایک شاگرد عثمان بن عمر جب امام لیث رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں تو سلیمان بن عبدالرحمٰن اور عبید بن فیروز کے درمیان قاسم کا واسطہ ذکر کرتے ہیں۔ اس واسطے کی تخریج کے لیے درج ذیل کتب دیکھئے:

امام رویانی رحمہ اللہ اس کی سند بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نا محمد بن بشار نا عثمان بن عمر نا الليث عن سليمان بن عبد الرحمن عن القاسم مولى يزيد بن معاوية عن عبيد بن فيروز عن البراء".

(مسند الرویانی: ۱/۲۷۲ ح ۴۰۴، التاریخ الکبیر للبخاری: ۶/ ات ۱۴۸۳، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹/۲۷۴، وغیرہ)

اور امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے تین شاگرد عبداللہ بن وہب المصری رحمہ اللہ، ابوالولید الطیالسی رحمہ اللہ اور یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر رحمہ اللہ (وغیرہ) قاسم کا واسطہ ذکر نہیں کرتے ہیں۔ ان کی روایات کی ترتیب وار مختصر تخریج درج ذیل ہے:

۱: عبداللہ بن وہب المصری (سنن النسائی: ۷/ ۲۲۳، السنن الکبریٰ لہ: ۴/ ۳۳۹ ح ۴۴۴۵، شرح معانی الآثار: ۴/ ۱۶۸ ح ۶۱۸۷، مسند الموطا للجوہری: ص ۷۹ ح ۶۰۸)

۲: ابوالولید الطیالسی (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۵۹۱۹)

۳: یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹/ ۲۷۴)

اس تخریج سے معلوم ہوا کہ یہ روایت سلیمان بن عبدالرحمٰن نے عبید بن فیروز سے بلاواسطہ بھی سنی ہے اور قاسم عن عبید کے واسطہ سے بھی سنی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ سلیمان بن عبدالرحمٰن کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

"سمع عبید بن فیروز والقاسم أبا عبد الرحمن" (التاریخ الکبیر: ۴/ ۲۴)

یعنی سلیمان بن عبدالرحمٰن نے عبید بن فیروز سے بھی سنا ہے اور قاسم ابوعبدالرحمٰن سے بھی سنا ہے۔

بصورت دیگر امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے مقابلے میں امام شعبہ رحمہ اللہ کو ترجیح ہوگی کیونکہ حفظ واتقان، رجال وعلل میں جو مقام امام شعبہ رحمہ اللہ کو حاصل ہے، امام لیث رحمہ اللہ ثقہ ومتقن ہونے کے باوجود اس مقام پر فائز نہیں ہیں۔ پھر امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کے اپنے تلامذہ میں سے تین شاگردوں کی روایت کو یقیناً ترجیح ہوگی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وشعبة موضعه من الإتقان والبحث موضعه وابن وهب أثبت فی الليث من عثمان بن عمر ولم يذكر ما ذكر عثمان بن عمر فاستدلنا بهذا أن عثمان بن عمر وهم فی ذلك والله أعلم"

امام شعبہ کا حفظ واتقان کے میدان میں بھی ایک مقام ومرتبہ ہے اور رجال وعلل کی بحث و تمحیص کے حوالے سے بھی ان کا ایک مقام ہے، اور امام عبداللہ بن وہب، عثمان بن عمر کی نسبت امام لیث بن سعد کی روایت میں زیادہ مضبوط ہیں۔ اور ابن وہب وہ واسطہ ذکر نہیں کرتے جو کو عثمان ذکر کرتا ہے۔ سو اس سے ہم یہ دلیل لے سکتے ہیں کہ عثمان کو اس روایت

میں وہم لاحق ہوا ہے۔ واللہ اعلم'' (التمہید: ۲۰/ ۱۶۶۔۱۶۷)

امام ابواحمد الحاکم الکبیر رحمہ اللہ ''قاسم مولی خالد عن عبید بن فیروز'' والی روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ولا أراه محفوظا'' میں نہیں سمجھتا کہ یہ روایت محفوظ ہے۔ (الاسامی والکنی: ۴/ ۳۵۱ ت ۳۵۲۴)

معترض موصوف کا امام علی بن المدینی رحمہ اللہ اور ان کے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ کو اس روایت کو ضعیف دینے والوں میں ذکر کرنا درست نہیں۔ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مطلقاً ضعیف نہیں قرار دیا ہے۔ ان کے کلام سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ انھوں نے اس کے طرق میں سے امام شعبہ عن سلیمان بن عبدالرحمٰن عن عبید بن فیروز کے مقابلہ میں امام لیث بن سعد عن سلیمان بن عبدالرحمٰن عن قاسم ابی عبدالرحمٰن عن عبید بن فیروز کے طریق کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس میں روایت پر مطلقاً جرح نہیں بلکہ ایک طریق کے مقابلے میں دوسرے طریق کو زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے۔ وہ اس روایت کو امام لیث عن سلیمان عن قاسم عن عبید بن فیروز کی سند سے درست وصحیح سمجھتے ہیں۔ سو اس قول کی بنا پر اس روایت کو مطلقاً ''اسنادہ ضعیف'' قرار دینا معترض موصوف کا اپنا وہم وگمان ہے، امام علی بن المدینی رحمہ اللہ سے ہمارے علم کے مطابق ایسا کچھ ثابت نہیں ہے۔ اللہ ہی جانے کہ موصوف نے اس روایت پر امام بخاری کی جرح کہاں دیکھی ہے۔ بطور الزامی جواب عرض ہے کہ اگر ان کی مراد علل الکبیر للترمذی ہے تو اس میں عبارت یوں ہے:

''كان علي بن عبد الله يذهب إلى أن حديث عثمان بن عمر أصح، قال محمد: ما أرى هذا بشيء لأن عمرو بن الحارث ويزيد بن أبي حبيب رويا عن سليمان بن عبد الرحمن عن عبيد ابن فيروز عن البراء، قال محمد: وهذا عندنا أصح''

امام علی بن عبداللہ المدینی کا رجحان یہ تھا کہ عثمان بن عمر کی روایت زیادہ صحیح ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں سمجھتا ہوں کہ یہ بات درست نہیں کیونکہ عمرو بن الحارث اور

یزید بن ابی حبیب دونوں یہی روایت سلیمان بن عبدالرحمٰن عن عبید بن فیروز عن البراء کی سند سے بیان کرتے ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔"

(العلل الکبیر المنسوب الی الترمذی: ۴۴۶، نیز دیکھئے معرفۃ السنن والآثار: ۱۸۹۷۲)

یہی عبارت امام بیہقی "بلغني عن أبي عيسى" کے الفاظ کے ساتھ یوں نقل کرتے ہیں:

"محمد بن إسماعيل البخاري أنه كان يميل إلى تصحيح رواية شعبة ولا يرضى رواية عثمان بن عمر، والله أعلم"

امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ کا میلان اس طرف تھا کہ امام شعبہ رحمہ اللہ کی روایت صحیح ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ، عثمان بن عمر رحمہ اللہ کی روایت سے راضی نہیں تھے، واللہ اعلم۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ۹/۲۷۵)

یہ بات ان لوگوں کے اصول پر صحیح ہے جو بے سند اقوال پیش کرتے ہیں۔





فہرس: ﴿آیاتِ قرآنیہ﴾



فہرس: الاحادیث والآثار والاقوال

فہرس: اہم الفاظ



اسماء الرجال



فہرس اقوال الرجال



بسم اللہ
اللہ اکبر

قربانی

احکام و مسائل

